ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

بنام حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

یاد رکھو! مال و دولت اور اولاد کی کثرت میں کوئی خیر نہیں ہے، بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو۔ اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے، محض ارضِ مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ



مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان



عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرابت داری اللہ کی رحمت کی ایک شاخ ہے۔ اللہ عز و جل نے فرمایا ہے کہ جو قرابت داری اور رشتہ داری کا خیال رکھے گا میں اس کے ساتھ ہوں۔ اور جو اس سے گریز کریگا میں اس کا ساتھی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقعہ بہ موقعہ جو اپنے ساتھیوں کو عملی ہدایات فرماتے رہتے تھے انہیں وہ ہر طرف پھیلا دیتے تھے۔ تاکہ جو لوگ اس وقت آپ کے پاس حاضر نہ تھے وہ بھی ان سے مستفید ہوں۔ کیونکہ ان ہدایات کے بغیر مسلمانوں کی جماعت کا کام اچھی طرح نہیں چل سکتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو باہمی اتفاق اور اتحاد کا خیال از بس ضروری ہے ورنہ ان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور وہ تتر بتر ہو جائیں گے اور جماعت کا وجود ہی نہ رہے گا۔ جب جماعت ہی کی شکل بگڑ گئی تو افراد کے وجود کا سخت قسم کے خطروں میں گھر جانا لازمی ہے۔ تجربہ شاہد ہے اور تاریخ بھی اس کی گواہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی شامت اکثر اس وجہ سے آئی ہے کہ ان میں باہمی میل جول اس کی رحمت کی ایک شاخ ہے جس پر مسلمانوں کے قیام اور دوام کا دارو مدار ہے اس کے بغیر اللہ ان کی مدد نہ کرے گا۔

مسلمان کا اصل اعتقاد اللہ پہ ایمان لانا ہے اس کے بعد سوائے اس کے اور کچھ نہیں رہتا کہ اس کے اور اس کے رسول کے فرمان پر عمل کیا جائے۔ باہمی اتفاق و اتحاد پر قرآن و حدیث میں اس قدر زور دیئے جانے کے باوجود مسلمان کی آپس کی کٹا چھنی عبرت کا مقام ہے۔ اولاد ماں باپ کے کاٹ کھانے کے لیے دوڑ رہی ہے، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ بہن بھائیوں کی نہیں بنتی اور بھائی بہنوں کے نہیں اور اگر ہیں بھی تو بڑے بے ڈھنگے پن سے۔ اور رشتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ گویا مسلمان حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھول چکے ہیں جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان دہرایا ہے کہ اللہ کی رحمت انہیں لوگوں کے شامل حال رہتی ہے جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور جو حقوق قرابت توڑتے ہیں اللہ کی رحمت ان سے جدا ہو جاتی ہے۔

حقوق قرابت کی اہمیت

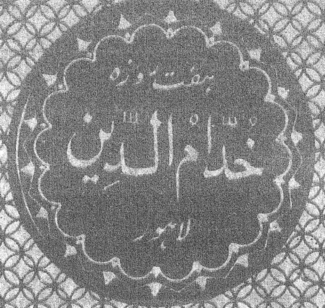
صلہ رحمی کی برکتیں

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِیْ رِزْقِهٖ اَوْ يُنْسَأَ لَهٗ فِیْ عُمُرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے جس شخص کو یہ اچھا معلوم ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو جائے یا اس کی عمر بڑھ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

دوسری خواہشوں کے ساتھ ساتھ انسان دو ایسی خواہشیں رکھتا ہے جو اس کے نزدیک زیادہ پیاری اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اس کے رزق میں فراخی اور بہتات ہو تاکہ وہ خوش حالی کی زندگی بسر کر سکے۔ کسی کا محتاج ہونے کی بجائے

باقی صفحہ ۲۴ پر



جلد ۲۳ ، شمارہ ۴۳
۲۶ مئی ۷۷ء ، ۷ رجمادی الثانی ۹۷

اس شمارے میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری
مدیر : سعید الرحمن علوی
مدیر معاون : ارشد حسن ثاقب
شعبہ کتابت : محمد افضل ، عبدالحمید

مسالانہ : ۶۰ روپیہ ، ششماہی ۳۰/-
سہ ماہی ۱۵/- ، فی پرچہ ۱/۵۰

اداریہ

23
43

حجرہ عائشہؓ کا دوسرا چاند

"لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں ، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں - پس اگر میں اچھا کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر بُرا کروں تو مجھ کو سیدھا کر دو ، سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے - تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے ، چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کر دوں گا - اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے ، چنانچہ میں اس سے حق لونگا - جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے ، اللہ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے - اور جس قوم میں بُری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ اس پر مصیبت کو مسلط کر دیتا ہے - جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو - اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں ، تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے - اچھا اب جاؤ نماز پڑھو ، اللہ تم پر رحم فرمائے "

مندرجہ بالا سطور در اصل اس خطبہ کا ترجمہ ہیں جو جانشین رسول برحق ، خلیفہ بلا فصل ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "بیعت عامہ" کے بعد مسجد نبوی میں ارشاد فرمایا - یہ خطبہ "صاحب البدایہ والنھایہ" نے نقل کیا ، اور بقول ابن سعد " ایسا خطبہ پھر کبھی کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آیا " اس خطبہ کے ایک ایک لفظ میں "خلافت و حکومت" کی نازک ترین ذمہ داریوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تربیت کے شاہکار صدیق اکبر سلام اللہ علیہ و رضوانہ نے وہ کچھ ارشاد فرما دیا ہے ، جس کو سامنے رکھ کر اور جس پر عمل پیرا ہو کر ہر دور کا "مسلم حکمران" ایک "مثالی حکمران" بن سکتا ہے -

جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی (اور آپکے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی) بقول حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ، اللہ کی طرف سے وہ فطرت لے کر آئی تھی جو فطرت انبیاء علیہم السلام کے مشابہ تھی - رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سب سے پہلے ایمان لانے والی اس قدسی شخصیت نے نبوت سے بھرپور استفادہ کیا اور سفر و حضر میں امام الانبیاء کے ساتھ رہ کر اپنے نفس کو دنیوی آلائشوں اور کمزوریوں سے اس طرح پاک و صاف کر لیا کہ نبوت نے

پبلشر مولانا عبید اللہ انور - پرنٹر الفی بخش - مطبع کاسمو پرنٹرز ، چوک موری گیٹ لاہور

"عظمتِ صدیق" کی یوں گواہی دی کہ اپنے آخری مرض میں اس کو اپنے مصلیٰ کا وارث قرار دیا، اور اپنی زندگی میں اسے مسلمانوں کا امام بنا دیا۔

جنابِ صدیق کی ذاتِ گرامی وہ ہے جو بقول ایک "مسلم مفکر" اسلام اور مسلمانوں کے حق میں "آدمِ ثانی" کا درجہ رکھتی ہے۔ اور آپ کی حکومت ایسی مثالی حکومت ہے جس کو اغیار بھی سراہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہندو لیڈر مسٹر گاندھی نے کانگریسی وزراء کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی کہ تم کارِ حکومت میں "اسوۂ صدیقی و فاروقی" کو سامنے رکھو۔

افسوس یہ کہ صحابہ علیہم الرضوان جو درس گاہِ نبوت کے فیض یافتہ اور بقول قرآن "راشد جماعت" تھے، ان کیخلاف ایک عرصہ سے ژاژ خائی کا مظاہرہ ہو رہا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہودیت و مجوسیت کی ملی بھگت سے "اسلام اور اہلِ اسلام" کے خلاف پہلی "حزبِ اختلاف" کا نام ہی رفض و سبائیت یا بالفاظِ دیگر "دشمنِ صحابہ جماعت" ہے اور اب اس دورِ شر و فتن میں تو اپنے آپ کو سکہ بند مسلمان کہلانے والوں نے ایسا رویہ اپنایا جس کی وجہ سے "صحابہ" کی عظمت مجروح ہوئی اور اغیار کو "اپنوں" کی کم نظری کے پیشِ نظر ان پر نقد و جرح کا موقع ملا۔ حالانکہ اس جماعت میں تنہا صدیقِ اکبر کی ذات ہی ایسی کامل و جامع شخصیت ہے کہ جس نے طوفانوں میں گھرے ہوئے مسلمانوں اور خود اسلام کو اپنی قوتِ ایمانی سے محفوظ فرمایا۔

"خطبہ" کے ترجمہ کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں جو درحقیقت آپ کی پالیسی تقریر ہے، تو اس میں آپ کو اتنا عظیم منصب حاصل ہونے کے باوجود فروتنی و عاجزی اور خدمتِ خلق کا بے پناہ جذبہ نظر آئے گا۔ کمزور و مظلوم کا حق لینے اور ظالم و متکبر کی اصلاح کے لیے سراپا غیض و غضب بن جانا اور پوری شیفتگی کو حرکت میں لے آنا، لیکن عام حالات اور ذاتی معاملات میں ایک عام مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنے کا محض تقریر میں ہی اعلان نہیں، بلکہ آپ کی ساری زندگی اس کی مظہر ہے۔

جہاد کے چھوڑ دینے والی قوم کے لیے اللہ کی طرف سے ذلت مسلط کرنے کی تنبیہ پر ذرا توجہ فرمائیں تو "صدیقی بصیرت" کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح آپ کی رُوح، رُوحِ محمدی میں ڈوبی ہوئی تھی؟ اور پھر آپ نے محض جہاد کا وعظ ہی نہیں کیا بلکہ سوا دو سالہ دورِ خلافت کو "جہاد" ہی میں گذار دیا۔ آپ کا دورِ خلافت واقعۃً فتنوں کا دور تھا اور بدباطن قوتیں یہ سمجھ رہی تھیں کہ "محمد کی وفات کا صدمہ" مسلمانوں کے لیے جان لیوا ہے، اس لیے ان کی کمر توڑنے کا یہی موزوں و مناسب وقت ہے۔ لیکن صدیق کوہِ استقامت بن کر سامنے آتے ہیں اور "ربِ محمد" کے حی و قیوم ہونے کا اس انداز میں اعلان فرماتے ہیں کہ غم روزگار کے پیشِ نظر ٹوٹی ہوئی ہمتیں عزمِ جواں لے کر سینہ سپر ہو جاتی ہیں اور پھر جب تک منافقین و مرتدین کا قلع قمع نہیں ہو جاتا، مسلمان چین سے نہیں بیٹھتے۔

یہ نحیف و نزار انسان کتنا عظیم الہمت تھا کہ جب اسے مانعین زکوٰۃ کے متعلق نرمی کا مشورہ دیا گیا تو وہ سراپا جلال بن کر کہہ اٹھا کہ:

"میرے جیتے جی اسلام میں کمی و رخنہ اندازی کی جائے؟ ناممکن"

اور یہ کہ مجھے یہ تو منظور ہے کہ مجھے تنِ تنہا میدانِ رزم میں اپنے جسم کی تکا بوٹی کرانی پڑے، لیکن دینِ محمدی پر آنچ آئے یہ منظور نہیں۔

اور پھر نرمی کے مشورے دینے والے اس گرجدار آواز میں چھپی ہوئی ایمانی ہیبت کو سمجھ گئے اور صدیق کو وراثتِ محمدی کا حقیقی وارث سمجھ کر ان کے اشاروں پر اٹھ کھڑے ہوتے اور پھر کوئی دن اور رات ایسی نہ تھی جب وہ شمشیر بکف دشمنوں کے مقابلہ میں نہ ہوں۔ اور ہماری تاریخ گواہ ہے کہ جب تک ہم شمشیر خارا شگاف کے دھنی رہے تو عظمت ہمارے قدم چومتی رہی۔ اور جب ہم دین کے نام نہاد بڑوں کے دستِ نگر بن کر رہ گئے تو ہم ذلت و مسکنت کا شکار ہو گئے اور آج تو ہم سے بڑھ کر دھرتی کے سینہ پر کوئی ذلیل و خوار نہیں۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ ہم نے ان چوکھٹوں سے امن و انصاف تلاش کرنا شروع کر دیا جو شر و فساد کے پھاٹک ہیں۔ حیرت ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی ایک ارب کی تعداد ہو، اور وہ جغرافیائی طور پر آپس میں پوری طرح مربوط بھی ہوں، لیکن ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہوں اور ان کے پاس ایک اسلحہ فیکٹری نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ ایک کارتوس کے لیے بھی غیر کے محتاج ہوں۔

خدا کی کروڑوں کروڑ رحمتیں نازل ہوں "زوجِ صدیق" پر جو کامیابی و عزت کا راز سمجھ گئی تھی اور اسی لیے اس نے کہہ دیا تھا کہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے" اور آج چاروں طرف مصائب و آلام کے شاکی مسلمانوں کو آپ کا یہ ارشاد بھی نظر کے سامنے رکھنا چاہیئے کہ:

"جس قوم پر بری باتیں عام ہو جاتی ہیں، اللہ اس پر مصیبت کو مستولی کر دیتا ہے"

آج کے مسلم معاشرہ میں کونسی خرابی ہے جو موجود نہیں؟ عقیدہ و عمل کی خرابیوں سے لے کر اخلاق و کردار کی خرابیوں تک ہر خرابی ہمارے اندر موجود ہے، اور اس کے بعد بھی ہم اس دنیا میں امن و چین اور راحت کے متلاشی ہیں۔

جمادی الاخری کی ۲۲ تاریخ جو اس "امام عادل و برحق" کا یوم وصال ہے، ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم حال و مستقبل کی آنکھیں چندھیا دینے والی تہذیب و معاشرت کو چھوڑ کر "ماضی" کی طرف پلٹیں اور آئینہ ایام میں اپنی تصویر دیکھیں کہ ہمارے اسلاف دنیا میں سربلند و سرخرو کیونکر تھے؟

ہماری سیاہ بختی کا تو عالم ہے کہ ہمارے سامنے بعض بدباطن و سیاہ بخت اس "نازشِ نبوت" کے "ایمان و صداقت" کا مذاق اڑاتے ہیں، اور ان کی رولتے صدق و امانت کو تار تار کرتے ہیں۔ لیکن ہماری غیرتیں اسی طرح سوتی رہتی ہیں، جب کہ ہم "شورا شوری" کا مظاہرہ کرنے پر آتے ہیں تو چند ٹکوں کی خاطر لہو میں نہانے سے احتراز نہیں کرتے۔

وقت کا بنیادی فرض اور تقاضا یہ ہے کہ وہ "جماعت حقہ" جس کو قرآن نے "معیار حق و صداقت" قرار دیا۔ اس کی عزت و تکریم کے تحفظ کا باقاعدہ قانون منظور ہو اور ان کے ایمان و اسلام کے خلاف "ہرزہ سرائی کا مظاہرہ کرنے والی زبانیں گدی سے کھینچ لی جائیں۔ اس کے بعد ان کے عمل و کردار کی بنیاد پر اپنی انفرادی اجتماعی اصلاح کا ڈول ڈالا جاتے کہ دنیا پر اپنی امامت و قیادت کا ھلالی پرچم اسی طرح لہرایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ خدائے بزرگ و برتر "عباد صالحین" کے لیے اس کا وعدہ فرما چکے ہیں، اور ظالمین کے لیے اس کی نفی آج سے ہزاروں سال قبل کر دی گئی تھی۔ "لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ" ۲۲ جمادی الثانیہ کو "حجرۂ عائشہ" میں اترنے والے دوسرے چاند کی روشنی ہمارے ہر درد کا درماں اور ہر تاریکی کے لیے پیغام نور ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط صرف اور صرف عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح احوال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ؛ ؛

ع م ۲۳ مئی ۸۴ء

محکمہ ٹیلیفون

ہمارے یہاں کا دفتری نظام جس ابتری اور تباہ حالی کا شکار ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں، تمام تر نظام بگڑا ہوا ہے اور "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی" والا معاملہ ہے۔ یوں تو ہر محکمہ کی یہ کیفیت ہے کہ اس کے اعمالنامہ کو کریدا جائے تو سوائے سیاہی کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ تاہم آج کی سطور میں محکمہ ٹیلیفون کے متعلق توجہ دلانا ہے۔ جس کے سفید ہاتھیوں کے ہاتھوں ایک دنیا جاں بلب ہے۔ خود ہمارے ادارے کے فون کا یہ عالم ہے۔ کہ کئی کئی دن تک خراب رہتا ہے اور بار بار کی توجہ دلانے کے بعد بمشکل جاکر بات بنتی ہے اور پھر جب بل آتے تو انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ریکارڈ دیکھے بغیر اندھا دھند بل بنا کر ارسال کر دئے جاتے ہیں۔ ہم متعدد بار تحریری درخواستوں کے ذریعہ اس صورت حال کی طرف توجہ دلا چکے ہیں لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات!

ہم ملک کے ارباب حل و عقد کو توجہ دلائیں گے کہ وہ غریب صارفین کو اس مشکل صورت حال سے نجات دلائیں۔

ندائے بلوچستان کے ایڈیٹر کا قتل

بلوچستان کے بہادر و غیور صحافی جناب سعید اقبال ایڈیٹر "ندائے بلوچستان" کوئٹہ کے متعلق اخبارات میں یہ دہشتناک خبر آ چکی ہے کہ انہیں کسی بدبخت نے گھر سے بلا کر چاقو سے پے در پے وار کر کے شہید کر دیا۔

مرحوم سعید اقبال ایک ایسے صحافی تھے جنہوں نے ہر دور میں کلمۂ حق بلند کیا اور کسی بھی دور میں اپنے قلم کی عصمت کو داغدار نہیں کیا وہ ہر قومی و ملی کام میں پیش پیش

ہوتے جس کی مختلف ادوار میں انہیں خاصی سزا بھی بھگتنا پڑی - لیکن ہر سزا کے بعد "ذوقِ جرم" بڑھتا رہا۔ اور سعید نے اپنی سعادت مندی کا پرچم بلند رکھا۔ واقعات و حالات کا علم نہیں اندازہ یہ ہے کہ ان کی مہم جو طبیعت جو آج کل "فحاشی" سے معاشرہ کو پاک کرنے میں لگی ہوئی تھی ان کے قتل کا سبب بنی ہے اور دھوپ چھاؤں کی اولاد کسی مکروہ فطرت نے ان کا چراغِ زندگی گل کر دیا۔

بہر حال مرحوم تو زندگی کی طرح اعزازی طور پر موت پاکر کامیاب ہو گئے لیکن اس طرح جرائم پیشہ افراد کے حوصلے بلند ہو جائیں گے - اور پھر غریبوں کی جھونپڑیوں کے بعد امیروں کے محل محفوظ نہیں رہیں گے۔

ہم صحافی سے زیادہ اس دردمند مسلمان کے ساتھ ہونے والے حادثہ کو ذاتی حادثہ سمجھتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو منظور فرمائے ان کی اہلیہ، معصوم بچی اور دوسرے لواحقین کو صبر و اجر سے نوازے اور ہم خواہش رکھتے ہیں کہ قاتل جلد از جلد گرفتار کر کے انہیں عبرت ناک سزا دی جائے۔

ماہرالقادری

جاگتے رہیئے، مگر کیا ہو گا
وقت پر اپنے سویرا ہو گا

مجھ کو اک شخص نے برباد کیا
تم نہ ہو گے کوئی تم سا ہو گا

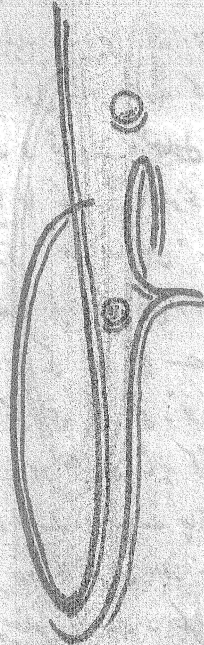
مَیں کہاں جراَتِ دیدار کہاں
پہلے اُس نے مجھے دیکھا ہو گا

پرسشِ حال کو وہ آتے ہیں
درد کم ہو کے زیادہ ہو گا

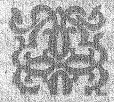
مَیں تو آمادۂ فریاد بھی تھا
غیرتِ عشق نے روکا ہو گا

اتنی شمعوں کی ضرورت کیا تھی
کیا ابھی اور اندھیرا ہو گا

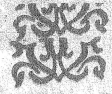
آہِ مظلوم سے اِک دن ماہرؔ
شیش محلوں میں دھماکا ہو گا!







خطبہ جمعہ



لقمانی نصائح

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدّ ظلہم ○

بعد از خطبۂ مسنونہ !

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ــــــــ

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (سورۃ لقمان آیات ۱۲تا۱۳)

ترجمہ : اور ہم نے دی ہے لقمان کو عقلمندی کہ حق مان اللہ کا ، اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی منکر ہو گا تو اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا اور جب کہا لقمٰن نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا ، اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا ، بے شک شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے ۔ (حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

لقمان کون تھے ؟

اصل مقصد بیان کرنے سے قبل یہ بتلانا ضروری ہے کہ لقمان جن کا ذکر قرآن میں ہے اور جن کے نام پر قرآن میں ایک سورت بھی ہے ، کون تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے ؟ حضرت لاہوری فرماتے ہیں :-

"حضرت لقمان غلام تھے ، حبشی حضرۃ داؤد علیہ السلام کے وقت میں ، اللہ نے ان کو حکمت دی ، یعنی عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں جو موافق ہوں پیغمبروں کے حکم کے ، ... (ص ۶۱۷)

اور حضرت مولانا شبّیر احمد عثمانی ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

"اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے ، ہاں پاکباز متقی انسان تھے ، جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل و فہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی ، انھوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں ، ان کی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں ، رب العزت نے ایک حصہ قرآن میں نقل فرما کر ان کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا ... حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے ؟ اور کس زمانہ میں ہوتے ؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہو سکی ، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوتے "۔ (تفسیر عثمانی ۵۳۴)

حضرت وہب بن منبہؒ کے قول کے مطابق وہ ایوب علیہ السلام کے بھانجے اور مقاتلؒ کے قول کے مطابق ان کے خالہ زاد بھائی تھے ، نیز تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لمبی عمر دی ۔ حتیٰ کہ انھوں نے داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا ۔ حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق وہ ایک حبشی غلام تھے اور نجاری کا کام کرتے تھے ۔ (در منثور) بقول علامہ ابن کثیرؒ جمہور سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے (مظہری) بقول ابن کثیر قتادہ سے ایک روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو نبوّت و حکمت میں سے کوئی ایک چیز اختیار کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے حکمت کو اختیار کر لیا ۔ (واللہ اعلم)

امام قرطبیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے قبل وہ لوگوں کو شرعی مسائل میں فتویٰ دیتے اور جب حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت ملی تو پھر فتویٰ چھوڑ دیا کہ نبی کے سامنے غیر نبی کا فتویٰ مناسب نہ تھا ۔

انہیں یہ مقام کیسے نصیب ہوا ؟

ابن کثیر میں ہے کہ آپ ایک دن لوگوں کی مجلس میں حکمت کی باتیں سنا رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ تم وہی ہو جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے ؟ آپ نے جواب دیا ہاں میں وہی ہوں ۔ اس شخص نے پوچھا پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا

کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لیے دور دور سے جمع ہوتی ہے؟ لقمان نے جواب دیا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں، ایک تو ہمیشہ سچ بولنا دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"چند کام ایسے ہیں جنھوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اگر تم اختیار کر لو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا۔ وہ کام یہ ہیں، اپنی نگاہ کو پست رکھنا اور زبان۔ کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات میں سچائی پر قائم رہنا، عہد کو پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا۔"

آپ کے کلماتِ حکمت بہت مشہور ہیں۔ ان کی شہرت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کے بعض کلمات قرآن مجید میں نقل فرمائے۔ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت کے دس ہزار سے زائد ابواب پڑھے ہیں۔

(قرطبی)

حکمت سے مراد؟

قرآنِ کریم کہتا ہے کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ لفظ حکمت قرآنِ کریم میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوا علم، عقل، حلم و بردباری، نبوت اور اصابت رائے۔ حضرت ابو حیان اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور ان کے دلوں میں مؤثر ہو اور جس کو لوگ محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچائیں۔ جب کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد عقل و فہم اور ذہانت ہے۔ جبکہ بعض حضرات علم کے مطابق عمل کو حکمت کا نام دیتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ حکمت کا معنی دانش مندی اور اس کی تفسیر علم با عمل سے فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کے اندازِ بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں جو حکمت ملی وہ یہ ہے کہ اللہ کی شکرگذاری اختیار کرو۔ اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری سب سے بڑی حکمت ہے۔

قرآنِ کریم نے سورۂ ابراہیم میں ارشاد فرمایا کہ جو ہمارا شکریہ ادا کرے گا ہم اس کی نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے۔ اور جو کفرانِ نعمت کرے گا تو ہمارا عذاب بہت سخت ہے، اور خود اس مقام پر ہے کہ:

"جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو (یعنی اپنا فائدہ ہو گا) اور جو کوئی منکر ہو گا تو اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا۔"

بیٹے کو نصیحتیں

اس مقام پر حضرت لقمان علیہ السلام کی چند نصیحتوں کا ذکر ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کیں۔ دراصل اس میں جو سبق و راز ہے وہ اولاد کی تربیت کی طرف توجہ دلانا ہے، صورتحال یہ ہے کہ آج کل ہر آدمی اولاد کی بے راہ روی کا رونا روتا ہے۔ ہر فرد اولاد کی بے عملی و بدعملی، بد اخلاقی اور شرارتوں سے شاکی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ میرے خیال میں اس کا بنیادی سبب تعلیم و تربیت کا غلط نظام ہے۔ گھر کی چار دیواری سے اعلیٰ تعلیم گاہوں تک سارا نظام ہی غلط ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ انگریزی دور سے جو نظام تعلیم ہم پر مسلط ہوا وہ اب تک مسلط ہے، اور معصوم نسل غلط تعلیم و تربیت کی وجہ سے بے راہ ہو جاتی ہے، اور پھر شکوے شروع ہو جاتے ہیں، لیکن شکووں سے قبل یہ سوچنا چاہیئے کہ ایسا ہے کیوں؟ بھائی اس کا سبب محض تعلیم و تربیت کا بگڑا ہوا نظام ہے! آخر اللہ کے پیغمبر نے سات برس کی عمر میں اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور دس سال کی عمر میں گوشمالی کا بھی فرمایا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ سات سال کی عمر ہو یا دس سال کی، دونوں عمروں میں بچہ بالغ نہیں ہوتا اور وہ نماز کا مکلف نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ اس عمر میں عادی نہیں ہو گا اور اس کی زندگی اس سانچہ میں نہیں ڈھلے گی تو بڑا ہو کر وہ کیا خاک نماز پڑھے گا؟ بہرحال ان آیات میں حکمتِ لقمانی اور نصائحِ لقمانی کا جو ذکر ہے تو اس میں اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

پہلی نصیحت

ان آیات میں جس پہلی نصیحت کا ذکر ہے وہ ہے ؛ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ، کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیو ۔ شرک خدا کے نزدیک سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے ، جیسا کہ اس آیت میں ہے : اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ کہ یہ سب سے بڑی ناانصافی ہے ۔اور سورۂ نساء میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو تو معاف نہیں کرے گا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے اور اس کے علاوہ جو گناہ ہیں انہیں چاہے تو معاف فرما دے ۔

ایک جگہ سورۂ انعام میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماعی ذکر فرمانے کے بعد فرمایا کہ ؛

"اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال برباد ہو جاتے ۔"

الغرض شرک انتہائی سنگین جرم ہے اور ہونا بھی چاہیئے ——— مولانا عثمانی فرماتے ہیں ؛

اس سے بڑھ کر ناانصافی کیا ہو گی ؟ کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دے دیا جاتے ، اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہو گا کہ اشرف المخلوقات ہو کر حسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کر دے ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔"

انسان پر اللہ تعالیٰ کا بنیادی حق یہ ہے کہ وہ اس کی ذات وصفات افعال و اعمال میں کسی طرح بھی کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ، کسی کو خدا کا بیٹا کہنا ، مشرکین مکہ کی طرح ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہنا ، مختلف دھاتوں اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کو پوجنا ، آگ اور سورج وغیرہ کی پرستش کرنا ، گائے کے گوبر وغیرہ کو دیوتا ماننا ، سب شرک ہیں ۔ توحید کی روح تو مولانا محمد علی جوہر کے الفاظ میں یہ ہے کہ : ع

یہ بندہ دو عالم سے خفا تیرے لیے ہے

جو بھی ماسوا اللہ ہے اس سے مکمل انقطاع تعمیر فکر کا بنیادی جزو ہے بعض گم کردہ راہ عناصر کا یہ محاورہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نقل کیا کہ وہ کہتے تھے کہ "ہم ان دیوتاؤں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ "ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں ۔" لیکن یہ حرف حیلے اور پھر پوچ بہانے ہیں ، جن کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ تو نکھرے ہوئے اور صاف ستھرے عقیدے کی دعوت دیتا ہے ۔

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ الخ ۔ "کہ جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں ۔"

ہر قسم کے طاغوت سے منہ موڑ کر سیدھا راہ حق پر چل پڑنا بنیادی تقاضہ ہے ۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بنیادی طور پر یہی چیز سکھلائی ۔ اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی نکتہ یہی تھا ، ہر نبی نے سب سے پہلے اسی کی طرف دعوت دی اور اسی پر انہیں ہمیشہ مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ لیکن ان کا استقلال و استقامت اس راہ میں عظیم سرمایہ تھا ۔ اور وہ برابر اس پر ڈٹے رہے ، حتیٰ کہ جب "وقتِ انجام" آیا تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے رفقاء کا مختصر ترین قافلہ کو نجات دی اور باقی سبھی غرق و برباد ہو گئے ۔

ضرورت ہے

کہ ہم لوگ اپنے عقائد کا بنیادی طور پر جائزہ لیں اور افکار و فکر میں جو خرابی ہے اس کا ازالہ و اصلاح کریں ۔ اور اپنی معصوم اولاد کی تعلیم میں اس چیز کو بنیادی اہمیت دیں ۔ اس کے ساتھ ہی بدعات و رسومات سے مکمل اجتناب کریں ۔ اس لیے کہ گھر کے اندر اگر رسومات وغیرہ کا چکر ہو گا تو معصوم اولاد غیر شعوری طور پر اس سے اثر لے گی ۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات و قوانین کے مقابلہ میں حکومت کے غلط احکامات ، برادری و قبیلہ کے رسوم و بندھن کے پیچھے چل پڑنا بھی بہت ناگوار ہے ۔ حضور علیہ السلام کا واضح ارشاد ہے کہ ؛

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صحیح مسلمان نہیں ہو سکتا ، جب تک اپنی خواہشات دین کے مقابلے میں قربان نہ کر دے ۔"

آج کے دور کا بڑا شرکیہ عمل "اہواء و خواہشات" کا اتباع ہے ۔ جس سے بچنے کی شدید ضرورت ہے کہ اس بنیاد پہ خطرناک عمارت تعمیر ہو جاتی ہے ۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اور نصیحتیں بھی ہیں ۔ جو انشاء اللہ آئندہ عرض کی جائیں گی ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد رمضان بی اے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام کے وہ عظیم الشان فرزند ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے اور جنہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ جو پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب سے زیادہ مخلص خادم تھے۔ حضرت صدیق رضؓ نے جسمانی لحاظ سے ضعیف اور کمزور ہونے کے باوجود اپنی حیرت انگیز استقلال اور جوانمردانہ عزم کے ساتھ اسلام کی اُس وقت پُشتی بانی کی۔ جب نبی اسلام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رحلت کے بعد اسلام کی کشتی منجدھار میں تھی اور مرکز اسلام چاروں طرف سے دشمنانِ اسلام کے حصار میں تھا۔

یہ وہ مردِ مومن تھے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز اور سب سے زیادہ محبوب تھے۔ ان کو تین دن غارِ ثور میں آپ کے ساتھ رہنے کی عزت حاصل ہوئی اور اسی موقع پر حضورؐ نے اپنے اس ساتھی کو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کا پیغام سنایا تھا۔

یہ وہ متقی شخص ہیں جن کو آنحضرتؐ نے اپنی مرض الموت میں اپنی بجائے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اور یہ اسی صدیقہ اور طاہرہ حضرت عائشہؓ کے باپ تھے جسے خیر البشر اور افضل الرسلؐ کی پیاری بیوی اور رفیقۂ زندگی کا فخر حاصل ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ قبیلہ قریش کی شاخ بنو تیم سے تعلق رکھتے تھے اور سات پشت پر ان کا سلسلہ نسب آنحضورؐ کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ آپ کے والدین نے آپ کا نام عبدالکعبہ رکھا مگر جب آپ اسلام لائے تو آنحضورؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ آپ کی کنیت ابوبکر تھی۔ بعض مورخین کے مطابق آپ کی کنیت کی وجہ یہ تھی کہ انہ بکر الی اسلام قبل غیرہ۔ یعنی آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔

لقب آپ کا صدیق تھا جو بارگاہ نبوت سے ملا۔

اسلام لانے سے پہلے حضرت ابوبکر تمام قریش مکہ میں اپنی شرافت کی وجہ سے نہایت عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ غرباء کی امداد، مساکین کی اعانت، بیواؤں کی ہمدردی اور یتیموں کی دیکھ بھال آپ کا شیوہ تھا۔ اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کی زندگی میں کچھ تغیر نہ ہوا وہ بدستور غلاموں کی امداد اور غرباء کی مدد فرماتے رہے اور انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے لیے وقف کر دیا بہت سے غلاموں کو جن میں حضرت بلالؓ بھی تھے ان کے آقاؤں کے ظلم و ستم سے بچا کر راہ خدا میں آزاد کیا۔

کفار مکہ کے شدید مظالم کے باعث جب مسلمان ہجرت پر مجبور ہوئے تو حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت صدیق اکبرؓ ان کے ساتھ تھے مدینے میں بھی مکی زندگی کی طرح آپ ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہے اور کوئی جنگ یا غزوہ ایسا نہ تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ نے شرکت نہ فرمائی ہو۔ اور ہر جنگ میں جان و مال سے ہر ممکن خدمت کرتے رہے

حضرت صدیق رضؓ کا یہ ایثار دیکھ کر صحابہ کرامؓ کو ان پر بڑا رشک آتا تھا۔

ایک دفعہ جب نبی اکرمؐ نے چندہ کی تحریک کی تو حضرت عمرؓ نے سوچا کہ اس دفعہ ضرور میں حضرت ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا اور انہوں نے گھر آ کر اپنے مال کے دو حصے کئے ایک گھر والوں کے لیے چھوڑا اور دوسرا حصہ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے

اور تمام واقعہ آپؐ کے گوش گزار کر دیا۔

پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور تمام مال حاضر خدمت کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ صدیقؓ! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو انہوں نے فوراً جواب دیا۔ سب کچھ حاضر ہے اور گھر والوں کے لیے خدا اور اس کا رسولؐ ہی کافی ہے۔

یہ ایثار دیکھ کر فاروق اعظمؓ حیران رہ گئے۔

جب آنحضرتؐ بیمار ہوئے تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اور حضرت صدیقؓ نے آپ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سب سے بڑا مسئلہ آپ کی جانشینی کا تھا اور تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت صدیقؓ کا متفقہ طور پر انتخاب کیا اور آپ دنیائے اسلام کے پہلے خلیفہ راشد مقرر ہوئے۔

حضورؐ کے بعد عرب کے قبائل نے سرکشی اور بغاوت اختیار کی اور اکثر قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا اور بعض لوگوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

ان تمام مشکلات کے باوجود حضرت صدیقؓ نے بڑی بہادری اور جرأت مندی سے کام لیا اور تمام جزیرہ نما عرب میں امن و سکون قائم کر دیا۔

یہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے کارناموں میں شامل ہے کہ انہوں نے شام اور ایران پر فوج کشی کی۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے سرحد ایران کے بہت سے شہروں پر قبضہ کیا اور اس کے علاوہ مختلف صحابہ کرامؓ نے شام اور اس کے مضافات کے علاقے فتح کیے۔

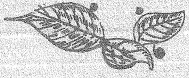
جمع قرآن یعنی قرآن مجید کے اجزا اکٹھا کر کے جو مختلف ٹکڑوں پر لکھے گئے تھے ایک لڑی میں منسلک کرنا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا نہایت شاندار کارنامہ تھا۔

اس کے علاوہ اپنی مرض الموت میں اپنے جانشین کا انتخاب فرمایا اور حضرت عمر فاروق اعظم رضؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

حضرت صدیق رضؓ نے بروز شنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دو سال تین ماہ اور گیارہ دن حکومت کرنے کے بعد رحلت فرمائی۔ اور اپنے آقاؐ کے پہلو میں جا سوئے۔

یہ تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اول جانشین اور مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ راشد ——

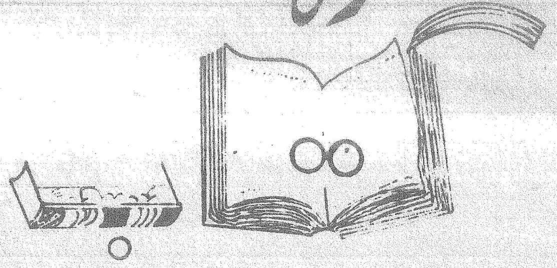
اللہ کی لاکھوں رحمتیں ہوں ان کی ذات پر





حضرت العلام مولانا حافظ نور الحسن کا درس حدیث اس دفعہ بوجوہ شامل نہیں ہوسکا۔ آئندہ باقاعدگی سے شامل ہوگا۔

(ادارہ)



جس کا احسان میں

بھول نہیں سکتا

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

آج میں اس کتاب کا ذکر کروں گا، جس کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے اور میں اس کے قابلِ احترام مصنفؒ کے لیے خدا کے حضور دل سے دُعا کرتا ہوں جنھوں نے اپنی اس کتاب کے ذریعے مجھے ایک ایسی دولت سے روشناس کیا جو میرے نزدیک ایمان کے بعد سب سے قیمتی چیز بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایمان ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس کتاب کا نام "رحمۃ للعالمین" ہے۔ اور اس کے مصنف مولانا قاضی محمد سلیمان منصورپوریؒ ہیں۔

اس کتاب کی ایک دلچسپ کہانی

میرے برادرِ معظم ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سابق ناظم ندوۃ العلماء (م ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ) جو میرے والد کی وفات کے بعد اسوقت سے میری تعلیم و تربیت کے ذمّہ دار تھے جب میری عمر صرف ۹ سال کی تھی، اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے، کہ اس کم سنی اور نو عمری میں کن کتابوں کا مطالعہ میرے لیے مفید ہو گا۔ اور کتابوں کے انتخاب میں توفیقِ الٰہی برابر ان کا ساتھ دیتی۔ چنانچہ انھوں نے مجھے ایک کتاب "سیرت خیر البشر" پڑھنے کے لیے دی، ان کی بڑی خواہش تھی کہ میں سیرت کی کتابوں کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کروں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ کردار کی تعمیر، عقیدہ کی پختگی، اخلاق کی بالیدگی اور ایمان کی تخم ریزی و پرورش کے لیے اس سے مؤثر کوئی چیز نہیں۔ اس لیے شروع ہی سے سیرت کی کتابوں سے مجھے ایک خاص لگاؤ اور ان کے مطالعہ اور حصول کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

میں کتابوں کی فہرستوں کو جو مکتبے اکثر شائع کرتے رہتے ہیں، ہمیشہ بڑے شوق سے دیکھتا تھا۔ ایک مرتبہ میری نظر کسی فہرست کتب میں "رحمۃ للعالمین" پر پڑی، اور میں نے اس کتاب کا آرڈر بھجوا دیا، اس وقت اس کتاب کے دو نسخے چھپے تھے، اور ایک بچے کا محدود بجٹ (جس کی عمر ۱۰ یا گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی) اس کتاب کو خریدنے سے یقیناً قاصر تھا، لیکن اس عمر کے بچے بجٹ کے اصول و قواعد اور معاشیات کے ضوابط کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ صرف اپنی معصوم تمناؤں اور جذبات کے ساتھ چلتے ہیں۔

ایک روز ڈاکیہ ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں ڈاک لے کر آیا تو اس کے پاس اس کتاب کا پیکٹ بھی تھا، میں نے دیکھا کہ میرے پاس اس کتاب کو خریدنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میری والدہ صاحبہ (اللہ ان کی عمر دراز فرمائے) اس مضمون کی تحریر کے بعد ۶ جمادی الآخری ۱۳۸۸ھ میں انھوں نے انتقال فرمایا۔ والدہ مرحومہ خاص معمولات و کیفیات کی مالک تھیں، حافظ قرآن تھیں، شعر

بھی گئی تھیں - کئی مفید کتابیں اور دعاؤ مناجات کے پُر اثر مجموعے ان کی یادگار ہیں - جن کو اس یتیم بچے کی ہر خاطر عزیز تھی ، نے بھی یہ رقم دینے سے معذرت کر دی - اس لیے کہ اس وقت ان کے پاس کچھ نہ تھا - میں نے دیکھا کہ اس وقت میرا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہے - سوائے اس سفارشی کے جس سے بچوں نے اکثر کام لیا ہے ، اور ان کو اس کا تجربہ ہے کہ اس کی سفارش کبھی رد نہیں کی جاتی - یہ وہ سفارش ہے جس کی مدد سیدنا عمیر بن ابی وقاصؓ نے لی تھی - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سفارش قبول فرمائی تھی - اور ان کو غزوۂ بدر میں شرکت کی اجازت دے دی تھی - یہ آنسوؤں اور معصوم گریہ و بکا کی سفارش ہے - جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندوں کے یہاں بہت وقیع ہے اور ضرور سنی جاتی ہے -

چنانچہ یہی ہوا ، میری شفیق والدہ کا دل قدرتی طور پر نرم پڑ گیا - انھوں نے کہیں سے کوشش کر کے یہ رقم میرے حوالہ کی ، اور میں نے یہ کتاب حاصل کر لی -

اب میں نے کتاب کو پڑھنا شروع کیا اور کتاب نے میرے دل کو ہلا کر رکھ دیا ، لیکن یہ کوئی تند و تیز ، ناگوار اور پریشان کن حرکت نہ تھی - یہ بہت نرم گداز اور رُوح پرور و جان سوز حرکت تھی ، میرا دل خوشی سے اس طرح جھوم اٹھا جیسے بادِ بہاری سے کوئی شاخِ گل جھوم اٹھے ، اور پھولوں کے بوجھ سے لٹک جائے -

یہ وہ فرق ہے ، جو عام فاتحین ، نامور شخصیت کے خیالات زندگی ، اور سیرت النبی کی کتابوں میں آپ کو نظر آئے گا - وہ کتابیں بھی دل میں ایک حرکت ، اضطراب اور تموج پیدا کرتی ہیں - لیکن وہ اضطراب دل پر باہر سے حملہ آور ہوتا ہے اور ناگوار اثر چھوڑتا ہے - اس کے برخلاف سیرتِ نبویؐ کی کتابوں سے دل میں جو حرکت پیدا ہوتی ہے ، وہ خود قلب مومن سے اٹھتی ہے ، اس کو آرام و راحت پہونچاتی ہے اور سکون و مسرت سے ہم آغوش کرتی ہے -

میرا دل اس کتاب کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ ہو گیا ، اور اس نے اس سے ایسا لطف لینا شروع کیا جیسے وہ اسی کتاب کے انتظار میں تھا - میں نے اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ایک نئی اور عجیب لذّت محسوس کی اور یہ ان تمام لذّتوں سے بڑھ کر تھی - جن سے اپنی عمر کے اس دور میں (اس اضافہ کے ساتھ میں شروع ہی سے بہت ذکی الحس واقع ہوا ہوں) آشنا تھا ، نہ بھوک کے وقت مزے دار کھانے کی لذّت تھی اور نہ عید کے دن نئے جوڑے کی ، اور شوق و ولولہ کے ساتھ کھیل کود کی ، نہ مسلسل محنت پڑھائی ، اور اس مذاکرہ کے بعد چھٹی کی نہ کسی مقابلہ یا میچ میں فتح کی ، اور نہ کسی ہمدم دیرینہ اور مہمان عزیز کی ملاقات کی ، یہ ان تمام نعمتوں اور لذّتوں میں کسی لذّت سے مشابہ نہ تھی - یہ ایک ایسی لذّت تھی جس کا مزہ میں جانتا تھا ، لیکن اس کو الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا تھا - اور مجھے اعتراف ہے کہ اس کو متعین طور پر بیان کرنے اور ایک یا دو لفظوں میں اس کو ادا کرنے سے میں آج تک قاصر ہوں ، زیادہ سے زیادہ جو کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ روح کی لذّت ہے - کیا بچے روح نہیں رکھتے اور ان کو روحانی لذّت کا احساس نہیں ہوتا؟ نہیں ، بخدا یہ معصوم بچے بڑوں سے زیادہ لطیف روح کے مالک ہیں اور زیادہ صحیح شعور رکھتے ہیں ، خواہ وہ اس کو بیان نہ کر سکیں -

میں اس سرُور انگیز اور وجد آفریں کتاب میں جب قریش کے ان لوگوں کے واقعات پڑھتا تھا جو اسلام لاتے تھے ، اور اس کے نتیجہ میں ان کو سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں ، اور وہ ان کو صبر و استقامت بلکہ لذّت و مسرت کے ساتھ برداشت کرتے تھے ، تو اس وقت میں محسوس کرتا تھا کہ یہاں ایک لذّت اور بھی ہے جس سے امراء و اغنیاء اور وہ لوگ جن کو دنیا والے خوش نصیب و اقبال مند سمجھتے ہیں ، بالکل ناواقف ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ کو راہِ حق میں کوئی تکلیف اٹھانی پڑے ، عقیدہ کی خاطر ظلم برداشت کرنا پڑے ، اور دعوتِ دین کے راستہ میں آپ کو ذلیل کیا جائے - یہ وہ لذّت ہے کہ فتح و کامرانی اور عروج و اقبال اور جاہ و اقتدار کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ، میں نے دیکھا کہ میرا دل اس بات کا متمنی ہے کہ اس کو یہ لذت ، عزت اور سعادت حاصل ہو خواہ پوری عمر

میں ایک ہی بار سہی۔

میں نے مصعب بن عمیرؓ کا واقعہ پڑا، وہ مصعب بن عمیرؓ جو خوش ذوقی، جامہ زیبی، نفاستِ طبع اور معیارِ زندگی کی بلندی میں ضرب المثل تھے، قریش کے ناز پروردہ اور عیش و تجمل کے دلدادہ نوجوان، مکہ میں سیر کے لیے نکلتے تو جسم پر سو سو درہم کی پوشاک ہوتی اور سارے شہر میں ان کا چرچا تھا۔ لیکن انھوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تو دولت مندی کے ان سارے مظاہر سے ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے اور سادہ زندگی گزارتے، اور بعض وقت اپنی چادر کو ببول کے کانٹے سے سینے پر مجبور ہوتے، یہ منظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آبدیدہ کر دیتا، اور آپ کو خیال گزرتا کہ پہلے ان کی زندگی کتنی آرام دہ اور پُر تکلف تھی۔ یہ نوجوان جب غزوۂ اُحد میں شہید ہوا تو اس کے بدن پر صرف ایک چادر تھی اور وہ بھی اتنی مختصر کہ اگر پیروں پر ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا، اور سر پر اوڑھایا جاتا تو پیر کھل جاتے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور پیروں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ میں نے یہ قصہ پڑھا تو اس نے مجھے اسیر اور گرویدہ بنا لیا، اور میرے دل و دماغ پر پورا قبضہ کر لیا۔ اس قصے سے مجھے اندازہ ہوا کہ پُرتکلف اور ناز و نعم کی زندگی، بیش قیمت پوشاک، لذیذ و نفیس کھانے اور عالی شان محل کے ماسوا، انسان کی ایک اور ضرورت بھی ہے، جہاں تک ان دولت مندوں اور بادشاہوں کی رسائی نہیں۔ ایک ایسی لذت بھی ہے، جس سے یہ معدہ کے پرستار اور خواہشات کے گرفتار ناآشنا ہیں، میں نے اپنے دل کو دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کو ضرورت اور لذت کی آرزو اور جستجو ہے، اور اس کی نگاہ میں اس بلند اور اعلیٰ حقیقت کی جتنی قدر اور عزت ہے۔ امراء و اغنیاء کے حسین و جمیل کپڑوں، کھوکھلے مظاہروں اور بے رُوح نمائش کی نہیں۔

میں نے اس میں ہجرتِ نبوی کا قصہ بھی پڑھا، وہ قصہ جس سے زیادہ مؤثر اور جاندار قصہ میں نے نہیں پڑھا، اور جس کو مصنف نے اپنی کتاب میں بڑی سادگی اور سچائی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لاتے ہیں۔ تمام لوگوں کے دل و نگاہ آپ کے لیے چشم براہ بلکہ فرشِ راہ ہیں، ایک ایک قبیلہ آپ کے پاس حاضر ہوتا ہے، اور خلوص و سادگی کے ساتھ کہتا ہے حضور آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں، سب کچھ آپ پر نثار ہے، (فداہ ابی و امّی) ارشاد فرماتے ہیں یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، اس کو راستہ دے دو۔ پھر یہ اس جگہ ٹھہرتی ہے جہاں آج مسجد النبوی کا دروازہ ہے، اور اٹھنے سے انکار کر دیتی ہے، اور مشیتِ الٰہی کا فیصلہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ شرف ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا، ابو ایوب انصاری اپنے محبوب مہمان کو بصد احترام گھر میں لاتے ہیں، اور سامان اتروالتے ہیں۔

میں اس عزت پر ابو ایوب انصاری کی مسرت کو پڑھ سکتا تھا، جو تقدیر نے ان کے دروازہ تک پہنچا دی تھی اور دیکھ سکتا تھا کہ وہ کس مسرت اور گرم جوشی کے ساتھ آپ کی ضیافت کر رہے ہیں۔

میں نے ایسا محسوس کیا جیسے میرا دل مجھے چھوڑ کر اب ناقۂ نبوی کے ساتھ ساتھ ہے، اور اسی کی ہمرکابی میں مدینہ پہنچا ہے، مجھے ایسا معلوم ہوا جیسا کہ یہ دل کش سماں میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ فاتحین و سلاطین اور تاریخ کے نامور قائدین کے فاتحانہ داخلے، جاہ و حشم کے مظاہرے، اور چوب داروں کے نقارے، مجھے اسوقت بالکل ہیچ اور ناقابلِ ذکر معلوم ہونے لگے، کسی انسان سے کسی انسان کی محبت وفاداری کا یہ منظر میرے دل میں اور میرے حافظہ پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا۔

میں نے احد کا قصہ بھی پڑھا، یہ اخلاص و وفا، قربانی و ایثار، ایمان و یقین، شرافت و حوصلہ مندی کی ایک ایسی کہانی ہے، جس سے زیادہ عظیم و جلیل اور حسین و جمیل کہانی تاریخ میں کسی اور جگہ دہرائی نہ جا سکے گی جب انس بن النضرؓ نے یہ دیکھ کر کہ لوگوں نے اپنے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ تاریخی جملہ کہا: جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے تم بھی اسی پر جان دیدو۔ اور کسی نے یہ کہا کہ مجھے احد کے

اس پار جنت کی خوشبو آ رہی ہے جن کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی، کہ وہ اپنی زندگی کے آخری سانسوں میں کسی طرح حضور کی خدمت میں پہونچ جائیں۔ جب ان کو اٹھا کر وہاں سے لے جایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر انھوں نے جان دے دی۔

ابودجانہؓ نے کسی طرح حضور کو بچانے کے لیے اپنے کو ڈھال بنا لیا تھا اور سارے تیر ان کی پیٹھ پر گر رہے تھے۔ اور وہ آپ پر جھکے ہوئے تھے۔

اس طرح محبت و جانثاری کے واقعات یکے بعد دیگرے میرے سامنے آتے گئے، کبھی میرا دل بھر آتا، اور میں بے ساختہ رو دیتا، کبھی سرور و مستی میں جھوم جھوم اٹھتا۔

اس کتاب کا اور اس کے مخلص مصنف کا وہ احسان جو میں کبھی نہ بھولوں گا!

یہ ہے کہ اس نے میرے دل میں اس خوابیدہ مخفی محبت کو ابھارا ہے۔ جس کے بغیر زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔ اور جس کے بغیر اس زندگی کی کوئی قیمت بھی نہیں، کسی فارسی شاعر نے شاید اس موقع کے لیے کہا تھا ؂

ناخوش آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت
ضائع آں روزے کہ بر مستاں بہ ہشیاری گذشت

یہی دیوانگی محبت تو زندگی کا حاصل اور مغز ہے، فارسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

در خرمن کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

یہی وہ محبت ہے جس کی وجہ سے یہ عبقری و ذہین انسان ہمیں انسانی صفوں میں اور اپنے ہم چشموں اور رفیقوں میں بہت بلند و بالا نظر آتے ہیں۔ یہی وہ "اکسیر اعظم" ہے۔ جس کی وجہ سے معمولی اور عام سطح کے لوگوں نے ایسے ایسے کام کیے اور اتنی بڑی خدمت انجام دی، جو بڑے طاقتور، دولت مند اور ذی حیثیت لوگ نہ کر سکے۔ اس کی وجہ سے ایک شخص نے بڑی قوموں پر غلبہ حاصل کیا۔ کبھی ایک قوم نے جب اس نسخہ کو استعمال کیا تو پوری دنیا اس کے قدموں میں گر گئی۔

یہ وہ محبت ہے جس میں آج یہ امت بہت مفلس اور تہی دامن ہو چکی ہے، آج اسی کے پاس بڑی دولت ہے۔ بڑا وسیع اور متنوع علم ہے، جاہ و منصب ہے، اور بہت سے ملکوں کی زمام اقتدار اس کے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن وہ زندگی کے اس "آب حیات" سے محروم ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایک بے جان لاشہ ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کو زندگی اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتی ہے۔

یہ وہ سرچشمۂ محبت ہے، جس سے سب سے زیادہ محروم ہمارا جدید تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ طبقہ ہے، اور اس محرومی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اس کی روح سب سے زیادہ بے سرور و بے کیف ہے۔ اس کے اندر مقابلہ کی طاقت سب سے کم ہے۔ وہ ملت کے دوسرے طبقوں سے زیادہ بے اثر اور بے وزن ہے۔ اس کی زندگی سب سے زیادہ مکدر و بے لطف اور اس کی کوششیں سب سے زیادہ بے مقصد اور رائیگاں ہیں۔

کتاب اور صاحب کتاب کا شکرگزار:

اس کتاب کا اور صاحب کتاب کا میں دل سے شکرگزار ہوں اس لیے کہ اس نے میری محبت کے پرسکون ساز کو چھیڑ دیا اور اس بات کا بھی شکرگزار ہوں کہ اس نے اس ابھرتی ہوئی، متحرک و زندہ و بیدار محبت کا رخ اس شخصیت کی طرف پھیر دیا، جس سے زیادہ اس محبت کا کوئی حقدار نہیں، جو اس کائنات میں حسن و احسان، اور جمال و کمال کا سب سے بڑا پیکر ہے، اور جس سے زیادہ صورت و سیرت اور کمال ظاہر و باطن کا دلکش انسانی نمونہ خالق و مالک اور قادر مطلق نے کوئی اور نہیں بنایا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اس امت کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس نے ان سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے، اور محبت کی کی لذت سے محروم ہے۔ اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے ؂

شب پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

خدا کی سلامتی ہو آپ پر اے سلیمان! مجھے آپ کی کتاب سے دو ایسی نعمتیں حاصل ہوئیں کہ اسلام کے بعد ان سے بڑی کوئی اور نعمت نہیں۔

ایک محبت کی نعمت دوسرے اس کے صحیح محل اور مصرف کی نعمت۔ اور واقعی یہ نعمت کتنی بڑی ہے۔

مولانا عبید اللہ انور کا اٹک اور واہ کینٹ میں

ورودِ مسعود

رپورٹ: محمد عثمان غنی

مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعرات جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم بذریعہ طیارہ لاہور سے راول پنڈی تشریف لائے، محترم حاجی خوشی محمد صاحب آپ کے ساتھ بطورِ خادم شریکِ سفر تھے۔ راولپنڈی مستقر پر حضرت مولانا محمد زاہد الحسینی صاحب اپنے معزز و مکرم ضیف کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

رانا شیر جنگ مرحوم کی تعزیت

آپ ہوائی جہاز سے اتر کر سیدھے محترم المقام رانا محمد عاقل خان صاحب کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ ان کے برادرِ بزرگ جناب الحاج رانا محمد شیر جنگ خان صاحب سابق ڈپٹی گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان ایک ہفتہ قبل رحلت فرما گئے تھے۔ مرحوم کراچی میں مقیم تھے اور حضرت شیخ التفسیرؒ کے خصوصی خدّام اور عشاق میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ مزید براں مرحوم نے تاحیات جماعتِ قادریہ راشدیہ کی بڑی خدمت کی اور متعدد دینی خدمات آپ سے اللہ تعالیٰ نے لیں۔ چونکہ ناظم آباد کراچی میں مسجد خدام الدین آپ ہی کی کوششوں کا ثمر ہے۔ آپ سے حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کے خلفِ اکبر حافظ حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خصوصی تعلق تھا، اور حضرۃ مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ بھی مرحوم کو بے حد عقیدت تھی۔ حضرتِ اقدس رانا صاحب مرحوم کی وفات کی خبر سن کر ان کے چھوٹے بھائی اور افرادِ خاندان سے اظہارِ تعزیت اور دعائے مغفرت فرمانے کے لیے کچھ دیر وہاں قیام پذیر رہے۔

اٹک (کیمبلپور) میں آمد

مغرب کے قریب حضرتِ اقدس جامعہ مدنیہ اٹک (کیمبل پور) میں جلوہ افروز ہوئے، جہاں جماعت کے احباب حویلیاں، ایبٹ آباد، پشاور، تلہ گنگ، پنڈی گھیب، ٹھٹہ، واہ کینٹ وغیرہ دور دراز مقامات سے حاضر ہو کر قدم بوسی کے لیے ہمہ تن منتظر تھے۔ مغرب کی نماز حضرتِ اقدس نے پڑھائی اور پھر مجلسِ ذکر منعقد ہوئی۔ مدینہ مسجد کا وسیع ہال اللہ اللہ کے زمزموں سے گونج رہا تھا۔ حضرتِ اقدس کے ارشادات مجلس ذکر کی تقریر علیحدہ لکھ کر پیش کی جائے گی۔ رات کو بیعت وغیرہ سے فارغ ہو کر عشاء کے بعد حضرۃِ اقدس نے حضرت قاضی صاحب کے انوار کدہ پر آرام فرمایا اور نمازِ فجر بھی حضرۃِ اقدس ہی نے پڑھائی۔ درسِ قرآن جو حضرتِ اقدس نے نمازِ فجر کے بعد ارشاد فرمایا وہ بھی علیحدہ قلم بند کر کے پیش کیا جائے گا

واہ کینٹ میں تشریف آوری:

صبح آٹھ بجے حضرتِ اقدس منزل انوار القرآن واہ کینٹ تشریف لائے احباب جماعت پہلے سے وہاں مشتاقانہ آنکھوں سے محوِ انتظار تھے۔ ٹھیک نو ۹ بجے قاری محمد ارشد صاحب کی تلاوت سے سالانہ درس کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد احقر کی بچی (عمر ۵ سال) نے مندرجہ ذیل نظم پیش کی۔

عقیدت کے پھول

پیارا شہر مدینہ ہے
میرا نام ثمینہ ہے
چھوٹی سی اک بچی ہوں
اپنے قول کی سچی ہوں

منی آپی ہیں میرے ابا جان
دادی کہتی تھیں عثمان
میرا بھائی ہے رضوان
اس سے چھوٹا ہے عرفان
ذکر خدا کا کرتے ہیں
اللہ سے ہم ڈرتے ہیں
میرے حضرت انور ہیں
بے حد بندہ پرور ہیں
ان کے پیارے اجمل ہیں
راج دلارے اکمل ہیں
وہ یہاں آتے ہیں وہ جب
خوش ہو جاتے ہیں ہم سب
اپنے پاس بٹھاتے ہیں
ہم کو دین سکھاتے ہیں
میری ہے ہر وقت دعا
اے اللہ! تو نیک بنا
تیرے دین سے الفت ہو
بری نہ کوئی خصلت ہو
ہر اک گھر میں پھیلے دین
سب لے سب کہئے آمین ۵

تمام حاضرین نے بیک آواز آمین کہا، اور حضرت اقدس نے ننھی منی بچی کو شفقت کے ساتھ پندرہ روپے کا گرانقدر انعام عطا فرمانے کے ساتھ دعاؤں سے بھی نوازا۔ اس کے بعد احقر نے درس کی تیرھویں سالانہ رپورٹ پیش کی جو درج ذیل ہے:

تیرھویں سالانہ رپورٹ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد! درس قرآن کریم کی گذشتہ سالگرہ جون ۶۷ء میں منعقد ہوئی تھی۔ اس وقت درس سورۂ زخرف پر تھا۔ ماہ جولائی میں یہ سورۂ مبارکہ اختتام پذیر ہوئی اور اگست میں سورۂ دخان شروع ہوئی۔ جو ماہ اکتوبر تک جاری رہی۔ نومبر میں سورۂ جاثیہ شروع ہوئی جو جنوری ۶۸ء تک جاری رہی۔ فروری سے سورۂ احقاف شروع ہے جو تا حال جاری ہے۔ سنہ ۱۹۶۳ء سے یہ سلسلۂ خیر ہمارے محترم بزرگ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم نے شروع فرما رکھا ہے۔ جس کی سرپرستی جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم نے بکمال شفقت فرما رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں اور دیگر اکابر کا سایۂ رحمت ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھیں تاکہ یہ بابرکت مجالس قائم ہوتی رہیں اور خلق خدا اپنی روحانی پیاس بجھاتی رہے۔

درس قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ درس حدیث بھی برابر جاری ہے۔ گذشتہ عرصہ میں چھ احادیث پڑھی گئیں۔ جن کے راویان کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرۃ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرۃ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک حدیث تبرکاً پیش خدمت ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ کَالصَّائِمِ الصَّابِرِ۔ (ترجمہ) حضرۃ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ آدمی جو کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس کو وہ اجر ملے گا جو اس روزے دار کو ملتا ہے، جو صبر کرنے والا ہو۔ مجلس ذکر بھی ہر ماہ محترم صوفی محمد یونس صاحب کرواتے ہیں، اور ان کی تقاریر بھی "خدام الدین" میں شائع ہو جاتی ہیں۔

منزل انوار القرآن پہلے کی نسبت آج زیادہ بہتر حالت میں آپ حضرات کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مزید بہتر بنا کر مرکز دین مبین بنائے۔ امسال ۶۳ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ جن میں سے چھ بچے بچیوں نے اس سال ناظرہ قرآن کریم ختم کیا ہے۔ جن کو ابھی حضرت اقدس انعامات عطا فرمائیں گے۔ اس مدرسہ کے استاد قاری حافظ نور الہٰی صاحب ہیں۔ جن کی محنت شاقہ کا یہ ثمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

گذشتہ ایام میں ہماری جماعت کے ایک بلند پایہ بزرگ اور حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ خادم الحاج رانا محمد شیر جنگ خان صاحب کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے اور جماعت کو ایسا مخلص انسان عطا فرمائے۔ مرحوم کے برادر گرامی جناب رانا محمد عاقل خان صاحب کو اور تمام اہل خاندان کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔

اس کے بعد حضرت اقدس مدظلہ نے بچوں میں دینی کتب کے انعامات تقسیم فرمائے اور ایک مختصر مگر جامع تقریر ارشاد فرمائی۔ جلسہ کی کارروائی ختم ہونے سے پہلے ہی حضرت اقدس عازم راولپنڈی ہو گئے۔ کیونکہ لاہور کے لیے آپ کو ۱۱ بجے کی پرواز سے تشریف لے جانا تھا اور جمعہ لاہور پہنچ کر پڑھانا تھا۔ ●●

چند گھنٹے رائے ونڈ میں

مدیر کے قلم سے

آج کل پورا ملک گرمی کی زد میں ہے۔ آسمان آگ برسا رہا ہے اور پانی کی کمی اس پر مستزاد! بالخصوص لاہور جہاں ہم لوگ رہ رہے ہیں گرمی کی شدت اور پانی کی خطرناک حد تک کمی کا شکار ہے۔ سابقہ حکومت نے لاہور کی آرائش و خوبصورتی کا لمبا چوڑا پلان بنایا تھا لیکن اس کا حدود اربعہ متمول لوگوں کے رہائشی علاقوں کی سڑکوں کی توسیع و مرمت تک محدود رہا اور اب بھی اسی نوع و انداز کی بعض بعض سڑکوں پر کام جاری ہے لیکن جہاں تک اصل و قدیم لاہور کا تعلق ہے وہ مسائل کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ سڑکیں گلیاں خستہ حال، نکاسی آب کا ناقص انتظام، پینے کے پانی کی کمی، سوئی گیس جیسی سہولتوں کا فقدان وغیرہ جیسے مسائل شہر کے باسیوں کے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں لیکن جہاں تک اہلِ دل اور اہلِ دانش کا تعلق ہے ان کی دنیا ہی مخصوص ہوتی ہے۔ ان کے عزائم اور حوصلے ہمیشہ بلند رہتے ہیں۔ ان کا جنوں انہیں کسی وقت بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتا اور وہ توفیق الٰہی سے ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ کے سوزِ دروں نے "تبلیغی تحریک" کی جو بنیاد رکھی وہ آج "اصلها ثابت و فرعها في السماء" کا نمونہ و مصداق بن چکی ہے۔ بستی نظام الدینؒ کی زرخیز مٹی میں اُگنے والا یہ پودا اس وقت ایک تناور درخت بن چکا ہے اور اس کی چھاؤں سے ایک عالم فیض اٹھا رہا ہے۔ پاکستان میں اس جماعت و تحریک کے مرکز "رائے ونڈ" میں آپ کسی وقت جائیں ہزاروں کی تعداد میں افراد آپ کو موجود نظر آئیں گے اور مرکزی اجتماع کے موقع پر تو یہ سلسلہ لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے۔ ان آنے والوں میں دنیا کے ہر ملک اور ہر خطہ کے افراد آپ کو موجود نظر آئیں گے۔ رنگ مختلف، زبانیں مختلف اور اتنی کہ ایک دوسرے کی بات سمجھ نہ سکیں لیکن "لا الٰہ الا اللہ" کا مقدس رشتہ ایسا مرکز اتحاد ہے کہ ہر آدمی دوسرے سے مل کر خوشی و مسرت محسوس کرتا ہے۔

اب کے یکم مئی سے ۱۰ مئی تک رائے ونڈ میں مخصوص افراد کا جوڑ تھا۔ ان مخصوص افراد سے مراد وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کام میں معقول وقت لگایا ہے۔ یقین آپ حیران ہوں گے کہ یہ مخصوص افراد بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مئی کا مہینہ جس کے متعلق ہے کہ :

مئی کا آ پہنچا ہے مہینہ
بہا ایڑی سے چوٹی تک پسینہ

اس میں اپنے کام کاج چھوڑ کر اپنے خرچ پر آنا واقعی حیرت ناک بات ہے اور یہ سب صدقہ ہے مرحوم بانی تحریک کے خلوص و اخلاص کا۔

رائے ونڈ چونکہ لاہور کے قریب ہے اس لیے ارباب مرکز نے لاہور کی طرف توجہ دی اور دو سو سے زائد جماعتیں جن میں ہر جماعت کم از کم دس افراد پر مشتمل تھی لاہور بھیج دیں۔ یہ تمام جماعتیں لاہور کے گلی کوچوں میں پھیل گئیں اور تین تین دن تک لاہور کی مختلف مساجد میں مقیم رہ کر کام کیا۔ احقر جہاں خطبہ جمعہ دیتا ہے وہاں جو جماعت آئی اس کے امیر گوجرانوالہ کے ایک صاحب تھے اور اس جماعت میں فیصل آباد وغیرہ کے بعض حضرات شریک تھے جب کہ ۵/۶ حضرات بیرون ملک سے تعلق رکھتے تھے یعنی ان حضرات کا تعلق ملایا سے تھا۔ ان سب حضرات نے جس خلوص و محبت کا میری ذات کے معاملہ میں مظاہرہ کیا وہ میرے لیے ایک خوشگوار تجربہ تھا اور میرے دل میں اس کی یادیں ہمیشہ رہیں گی۔ اپنی کوتاہ ہمتی کہ میں کوئی زیادہ خدمت نہ کر سکا۔ لیکن یہ طے کر لیا کہ آخری دن یعنی (۱۰ مئی) کی دعا میں ضرور شریک ہونگا بعد میں قدرے ترمیم کے ساتھ ۹ مئی

کی شام وہاں پہنچ گیا۔ بس کے عملہ کی بے احتیاطی نے لیٹ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نماز مغرب سے چند منٹ بعد وہاں پہنچے۔ بلاشبہ ہزاروں کی تعداد میں افراد تھے۔ دور دور تک شامیانے لگے ہوئے تھے اور اللہ کی مخلوق ذکر و فکر میں مشغول! تھوڑی دیر بعد سب کی توجہ سٹیج کی طرف ہو گئی۔

ذمہ دارانِ مرکز سٹیج پر تشریف فرما تھے اور لاہور میں کام کرنے والی جماعتوں کے نمائندگان اپنے اپنے تاثرات پیش کر رہے تھے، تاثرات خاصے امید افزا تھے۔ اور اندازہ ہوتا تھا کہ زمین میں نمی بہر حال موجود ہے۔ محنت و لگن سے کام کیا جائے تو سرسبزی و شادابی عین ممکن ہے۔ تاثرات و ہدایات کا سلسلہ قریباً رات دس بجے تک جاری رہا یہ سارا سلسلہ اردو زبان میں تھا۔ رہ گئے وہ لوگ جو اردو سمجھنے پر قادر نہیں تو وہ مجمع کے درمیان ہی مختلف مقامات پر بصورت حلقہ بیٹھے تھے اور ایک ترجمان ان کے درمیان لاوڈ سپیکر کے ذریعہ سٹیج کی باتیں سن کر ان تک پہنچا رہا تھا۔ ہم جہاں بیٹھے تھے اس کے قریب ہی عربی دان حضرات کا مجمع تھا جن میں سعودی عرب، مصر و شام، سوڈان و مراکش اور لبنان وغیرہ ممالک کے حضرات تھے۔ مخصوص عربی لباس میں وہ لوگ بڑے بھلے معلوم ہو رہے تھے اور سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اکثر و بیشتر حضرات کے چہروں پر سنت کے مطابق داڑھیاں تھیں گویا خطِ عرب جو ایک عرصہ تک اجتماعی طور پر اس سنت سے محروم ہو چکا تھا اب پھر فطرت و اصل کی طرف لوٹ رہا تھا۔ ان حضرات کے لیے ترجمانی کے فرائض پشاور کے ایک صاحب سرانجام دے رہے تھے مخصوص پشاوری وضع قطع کے یہ بھاری بھرکم جوان سال صاحب جس خوبصورتی، چابکدستی اور روانی کے ساتھ ترجمانی کر رہے تھے اس پر بلاساختہ قربان ہونے کو جی چاہتا اور میرا ایک کان سٹیج کی طرف تھا تو دوسرا ان کی طرف۔ دس بجے یہ سلسلہ منقطع ہوا اور نماز عشاء ہوئی۔ اللہ اللہ کیسا حسین سماں تھا کہ ہزاروں پیشانیاں ایک دم اپنے اللہ کے حضور سجدہ ریز تھیں اور لاوڈ سپیکر کے تکلف کے بجائے مکبرین کا سلسلہ تھا جو جب اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے تو کائنات کا پتہ پتہ جھوم جاتا۔ نماز کے بعد مختصر سا کھانا کھایا۔ مختلف احباب سے مختلف عنوانات پر باتیں ہوتی رہیں اور ۱۲ بجے کے بعد بستر پر دراز ہونے کا موقعہ ملا۔ ظاہر ہے کہ بستر زمین پر بچھے ہوئے تھے اور ہم تو لاہور سے تہی دست گئے تھے۔ میرے اہل محلہ اور مخلص دوست نفیس الرحمٰن صاحب کے خلوص اور ان کی محبت نے آرام و راحت کا جس طرح اہتمام کیا اس پر ان کے لیے دل سے بے ساختہ دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالٰے انہیں اجر جزیل سے نوازے۔

۴ بجے سے قبل ہی اکثر و بیشتر حضرات اٹھ کر مالک کے حضور سجدہ ریز ہونے لگے۔ آخر شب کا یہ سماں اور ہزاروں افراد کا اپنے اپنے طور پر امت کے لیے مصروف آہ و بکا ہونا عجیب سا معاملہ تھا اور احساس ہوتا تھا کہ امت کے بچاؤ کا اصل راز اسی قسم کے اعمال میں ہے۔ جنونیوں کا ایک طبقہ جس طرح مصروفِ عمل ہے۔ وہ پوری امت کے تحفظ کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ صبح کی نماز ہوئی اور پھر بیان۔ بیان مختلف حضرات کے ہوئے اور ناشتہ کے وقفہ کو چھوڑ کر ٹھیک ۱۲ بجے تک جاری رہے۔ لیکن حضرت مولانا عبید اللہ آف دہلی کا بیان حاصل مجلس تھا خلوص و للہیت اور سوز میں ڈوبی ہوئی آواز میں موصوف نے طویل خطاب کیا جس کے بعض حصے تو بالخصوص خصوصی توجہ کے مستحق تھے۔ مثلاً انہوں نے طلبہ اور ان میں سے بھی بالخصوص عصری درسگاہوں کے طلبہ کی طرف توجہ دلائی۔ ان کا کہنا تھا کہ ملت کا ہر فرد نظم و انتظام کی خرابیوں کا رونا روتا ہے لیکن جس نسل نے آئندہ چل کر انتظامی شعبوں کو سنبھالنا ہے ان کی تربیت کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔ والدین اور اساتذہ حقوق کی پامالی کا رونا روتے ہیں لیکن بچوں اور طالب علموں کی تربیت کے سلسلہ میں فرائض سے جس طرح غفلت برتتے ہیں اس پر موصوف نے خوب سے خوب گفتگو فرمائی۔ اور واقعتہً یہ باتیں ذمہ دار لوگوں جن میں حکومت، اساتذہ، اہل علم

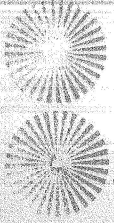
اور والدین شامل ہیں کی خصوصی توجہ کے محتاج ہیں مولانا نے دوسری بات جو وضاحت سے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر اکثر و بیشتر ایمان لانے والے معاشرہ کے مظلوم طبقات تھے اور متمول و مالدار طبقے اکثر و بیشتر مخالف رہے "طوبیٰ للغربا" کا حدیثی راز واضح کرتا ہے کہ دین و ایمان کا اصل سرمایہ اور متاع وہ پسے ہوئے طبقات ہیں جن کی دینی اصلاح و تربیت کی طرف سے اکثر غفلت برتی جاتی ہے۔ اور انہی طبقات کی محرومیاں کسی نہ کسی وقت حشر بپا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں انہوں نے مزدور کی عظمت پر کوثر و تسنیم کی دُھلی ہوئی زبان میں گفتگو کرکے اس کی اہمیت و حیثیت کو نکھارا اور اجاگر کیا اور جماعتی رفقاء کو بالخصوص توجہ دلائی کہ وہ ان طبقات کی طرف متوجہ ہوں۔ بیانات و ہدایات سے فراغت کے بعد "اجتماعی دعا" کا مرحلہ تھا اور یہ عمل ٹھیک ۱۲ بجے شروع ہوا اور آدھ گھنٹے سے زائد وقت تک جاری رہا۔ حدنظر تک پھیلے ہوئے ہزاروں افراد نے غایت درجہ تضرع و انکساری کے ساتھ اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا دیئے یہ وقت شدید گرمی کا تھا لیکن مولانا عبیداللہ دعا کرانے والے تھے۔ دعا کیا تھی۔ غائب و حاضر امت کے ایک ایک فرد کی اجتماعی اور انفرادی ضروریات و مشکلات اور پریشانیاں مالک الملک کے حضور پیش کرکے اس سے رحم طلب کیا جا رہا تھا پسینہ میں نہائی ہوئی دنیا کے نالے اور آہیں عرش تک پہنچتے محسوس ہو رہے تھے اور آنسو آنکھوں سے نکل کر چہرہ، داڑھی کو تر کرتے ہوئے چٹائیوں اور جائے نمازوں تک پہنچ رہے تھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ لوگ غایت فریاد کے سبب دم گھٹ کر رہ جائیں گے اور جب دعا ختم ہوئی تو اس کے بعد بھی خاصی دیر تک ایک خاص کیفیت طاری رہی۔ اور سسکیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ دعا میں لاہور اور گردو نواح کے لوگ بکثرت پہنچے ہوئے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ آج امت اپنے گناہوں پر بھرپور ندامت کے جذبے کے ساتھ تلافی مافات کا عہد کر رہی تھی۔ اس کے بعد ہفتہ عشرہ سے لے کر چلہ اور تین چلوں تک کی جماعتوں کی روانگی۔

یہ تھے وہ لوگ جنہیں ایک جنون گھر سے دور لے چلا تھا اور ایسے عالم میں کہ کاروبار و ملازمت کی چھٹی کے ساتھ ساتھ خرچ اخراجات اپنے تھے۔ وہ لوگ جس وقار و عاجزی کے ساتھ اپنا مختصر ضروری سامان سر پر اٹھائے جا رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ امت کے دن پلٹنے کا وقت قریب آچکا ہے۔

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو
اور یہ مسرت و خوشی کے مواقع ہم
اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ آمین

اللھم بحرمت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اہم ترین مکتوب



حکومت اور اہل علم کی توجہ کیلئے

جامعہ ملیہ ملیر سٹی کراچی ۴۳ کے ایک درد مند استاد کا یہ خط جو ملتان کے قاری محمد طاہر صاحب مدرس مدرسہ قاسم العلوم کے نام ہے ہم پیش خدمت کر رہے ہیں، یہ خط اپنے مطالب و مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے، اسے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تعلیمی سطح پر ہم اپنے حالات کا جائزہ لے کر اصلاح احوال کی کوشش کریں۔

امید کی جاتی ہے کہ حکومت اور اہلِ علم اس طرف خصوصی توجہ دیں۔ (ادارہ)

کراچی

۸ر۳ر۷۸

صاحبِ گرامی حضرت قاری صاحب

سلام مسنون! میں آپ کے لیے اجنبی ہوں۔ لیکن میرا تعارف آپ سے آپ کی حیرت انگیز تصنیف "کمال الفرقان" کی معرفت ہے کہ جسے آپ نے از راہِ انکسار اور سعادت طلبی شرح کا نام دیا ہے۔ حضرت تھانوی رح کا رسالہ "جمال القرآن" تجوید کے بنیادی تعارف کے لیے عمدہ چیز ہے لیکن اسے تجوید کی تعلیم کے لیے مکمل نصابی کتاب کی حیثیت سے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت نے اسے اس ضرورت کے جواب میں شاید تحریر بھی نہیں فرمایا تھا، اس رسالے کی اصل افادیت اس کی ترغیبی روح میں ہے ۔ یہ رسالہ تجوید کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے اور اسے حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے آگے جو بڑا کام ہے اسے آپ نے اللہ کی توفیق سے پورا کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس خدمت کے صلے میں اپنے بہترین انعامات سے نوازے۔ تجوید کی اصل تو مستند استاد ہے لیکن فن کے اسالیب و آداب کسی مستند استاد کے قلم سے ضابطہ تحریر میں سامنے آ جائیں تو تعلیم کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ آپ کی یہ شرح تمام دینی مدارس میں جہاں تجوید کی تعلیم ہوتی ہے بے حد مفید ثابت ہوگی۔

میں بد قسمتی سے انگریزی تعلیم کا آدمی ہوں۔ لیکن ذوقی حیثیت سے آدابِ دین سے وابستہ ہوں۔ بڑی عمر میں مدرسہ نیوٹاؤن کے ایک شفیق دوست اور استاد سے قرآن شریف ناظرہ پڑھا، حج کیا، داڑھی رکھی اور اب دنیاوی کاروبار محدود کر کے جامعہ ملیہ کے بڑے تعلیمی ادارے میں رہتا ہوں۔ یہاں تقریباً چار ہزار طلبا دن کے اوقات میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ایک کالج ہے، ایک اساتذہ کی تربیت کا کالج ہے، ایک پیشیوں کی تربیت کا ادارہ ہے۔ دو ثانوی مدارس طلباء کے، تین ابتدائی مدارس ایک لڑکیوں کا ثانوی مدرسہ۔ یہ سب ایک ہی جگہ ملیر کے علاقے میں ہیں اور مشہور ہیں۔ طرزِ تعلیم عام انگریزی مدارس کا ہے۔ ان اداروں کے باعث جامعہ ملیہ میں ایک وسیع مسجد بنی تھی جس میں آٹھ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ مسجد اس تعلیمی گلشن کی سب سے غیر آباد عمارت ہے۔ عام نمازوں میں ۸ آدمی، بعض میں ۲۰ سے ۳۰ تک ہوتے ہیں۔ جمعہ میں ۲۰۰ سے

۵۰۰ ظہر اور عصر کے اوقات میں طلباء مدارس میں موجود ہوتے ہیں مگر ۱۰ یا ۱۵ سے زیادہ نماز کے لیے نہیں آتے۔

ابتدائی مدارس میں جہاں بچے اوّل جماعت سے پنجم تک تعلیم حاصل کرتے ہیں، دینی تعلیم صفر ہے۔ حالانکہ سرکاری اور کاغذی طور پر حکومت توقع کرتی ہے کہ بچوں کو عام اسلامی تعلیمات کے علاوہ نماز اور ۱۰ پارے قرآن کے سیکھ لینا چاہئیں۔ لیکن قرآن پڑھائے کون؟ لہٰذا اساتذہ کی نااہلی کے باعث بچے کلمہ، نماز، قاعدہ، قرآن سب سے عاری رہتے ہیں۔ ثانوی مدارس میں چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک تعلیم ہوتی ہے۔ وہاں حکومت کے نصاب کے مطابق بچوں کو آٹھویں جماعت کے خاتمے پر قرآن شریف ناظرہ ختم کر لینا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ اس نصاب پر عمل نہیں ہوتا۔ اساتذہ کی تربیت کے اداروں میں داخلے کی شرط یہ ہے کہ امیدوار قرآن شریف ناظرہ پڑھ سکتے ہوں۔ افسوس یہ کہ جس وضع کا ناظرہ یہ استاد پڑھے ہوتے ہیں اس کے دورِ صفائی اور اس کی فنی اصلاح کا ان کی تربیت میں کوئی انتظام نہیں۔ انہیں بچوں کو تعلیم دینے کے تمام طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ہر مضمون پڑھانے کا طریقہ تفصیل سے مشقوں کے ساتھ سکھایا جاتا ہے نہیں سکھاتے تو قرآن شریف پڑھنے اور پڑھانے کا قاعدہ۔ یہ اساتذہ تربیت مکمل کر کے ثانوی مدارس میں نوکر ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ قرآن پاک کے علاوہ ہر مضمون پڑھاتے ہیں، نظام کی یہ خرابی بچوں کو قرآن سے محروم کر دیتی ہے۔

انگریزی تعلیم کے اداروں میں دینی تعلیم کا یہ نقشہ عام صورت حال کا نمونہ ہے۔ میں نے اس صورتِ حال سے رنجیدہ ہو کر اپنی بے استطاعتی کے باوجود بالکل چھوٹے پیمانے پر دو سال ہوئے مسجد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اذان اور امامت کا باضابطہ انتظام کرایا، ایک تعلیم القرآن کا مدرسہ مسجد میں پہلی بار شروع کیا۔ جس میں ان ان اداروں کے ان اساتذہ کے بچے قرآن پڑھنے آئے جو مسجد کے قریب اساتذہ کے رہائشی کوارٹروں میں رہتے ہیں، اس وقت شام کے اس مدرسے میں ۲۵ بچے ہیں اور تقریباً ۷ سے ۱۰ پارے ختم کر چکے ہیں۔ یہ تمام بچے دن کو انگریزی مدارس میں پڑھتے ہیں۔

اس کے بعد ہم نے تجربے کے طور پر مسجد اور ابتدائی مدرسے میں ایک اخلاقی معاہدے کے ماتحت کلمات، نماز، قاعدہ، قرآن پاک کی تعلیم کے لیے ابتدائی مدرسے کے بچوں کو مسجد بلوانا شروع کیا جو مدرسہ کے سامنے ہے بچوں کا ایک پورا کلاس جس میں ۸۰ سے ۱۲۰ بچے ہوتے ہیں ایک گھنٹے کے لیے مسجد آتا ہے۔ ہر جماعت صبح کے اوقات میں ایک استاد کی نگرانی میں آتی ہے۔ فی الحال ہم ایک استاد قاری کی مدد سے تجربہ کر رہے ہیں کہ جاہل رہ جانے کے مقابلے میں یہ بھی غنیمت ہے۔ لیکن جلد ہی ہم کم از کم دو اساتذہ کے ذریعہ جماعتوں کو چھوٹا کریں گے تاکہ اساتذہ کو توجہ کرنے میں سہولت ہو، ان بچوں کی مدت تعلیم ۳ سے ۵ سال ہے۔ جب تک یہ اسکول میں ہیں مسجد آتے رہیں گے۔ جن کا قرآن جماعت پنجم تک ختم نہیں ہوگا وہ چھٹی سے دسویں تک مزید پانچ سال مدرسے سے وابستہ رہیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان بچوں کے دورانِ تعلیم میں جو تقریباً دس سال ہے قرآن شریف کا ناظرہ ختم کرنا ممکن ہے بلکہ اس کے ساتھ انہیں بنیادی عقائد، عبادات، معاملات اور عمل کی تعلیم بھی دی جا سکتی ہے جو ان کے اپنے مدرسے میں سرکاری نظام کے نقائص کے باعث ناممکن ہے۔ اسی طرح ہم زیرِ تربیت اساتذہ کے کالج میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں کہ انہیں قرآن شریف کا تجویدی دَور کرا دیا جائے۔ اور بچوں کو پڑھانے کے مستند قواعد علمی اور عملی طور سے سکھا دیے جائیں تاکہ وہ اداروں میں نوکر ہونے کے بعد قرآن شریف کی تعلیم دینے پر قادر ہوں اس سلسلے میں میرے پاس اور وضاحتیں بھی ہیں جو میں طوالت کے خوف سے فی الحال نظر انداز کرتا ہوں۔

ہم نے ابتدائی مدرسے کے ۵۰۰ طلبا پر جو تجربہ کیا ہے وہ کامیاب معلوم ہوتا ہے۔ ثانوی مدارس کے طلبہ میں شوق ہے کہ وہ بھی آئیں، لیکن ہم اتنے وسائل اور اساتذہ نہیں لا سکتے کہ مزید ۱۰۰۰ طلباء کی تعلیم کا انتظام کریں لیکن امکان ہے اور جیسے جیسے ہمیں تجربہ ہوتا گیا ہم ان سہولتوں میں مزید

طلباء کو شریک کریں گے۔

ہمارا اصل مسئلہ جس میں آپ ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں ایک عمدہ قاری اور استاد کی تلاش ہے۔ ہم نے یہاں آپ کے استاذ مکرم حضرت قاری رحیم بخش صاحب مدظلہ اور آنجناب کے محاسن علمی کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ آپ کے طریقۂ تعلیم کا ذکر بھی ہوا ہے۔ اگر آپ کے شاگردانِ رشید میں کوئی صاحب ایسے ہیں جو اس وضع کے طلبا کے لیے موزوں معلّم اور عمدہ نمونہ ہوں اور کراچی آنا پسند کرتے ہوں تو براہِ کرم ان کا نام اور پتہ ہمیں روانہ کریں۔ ایک مرکزی اور کلیدی ماہر استاد کی موجودگی میں ہم ضرورت کے مطابق ان کے ماتحت نائبین ان کی مدد سے تلاش کرتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ ہماری یہ کوشش غیر سرکاری ہے اور ہم اسے کسی سطح پر سرکاری نہیں بنانا چاہتے۔ ہمارا مقصد قرآن کریم کی تعلیم کو مغربی وضع کے طلباء میں عام کرنا ہے اور یہ صرف للہ ہے کوئی دنیوی شہرت یا منفعت مقصود نہیں، ہم اس کام کو بے حد ضروری سمجھتے ہیں اس لیے کہ یہ طبقہ دینی مدارس سے دور تو ہے ہی، اپنے رہائشی علاقوں کی مساجد اور ان کے قرآنی مدارس سے بھی دور ہے، یہ کام دینی اور سیاسی جماعتیں کر رہی ہیں۔ اور نہ ہی تبلیغی جماعت اتنی بڑی تعداد تک اس کام کے لیے پہنچ رہی ہے۔ جو ادارے خاص تعلیم القرآن کا کام کر رہے ہیں، ان کی تعداد محدود ہے اور ان کے مدارس میں طلباء کی بہت تھوڑی تعداد انگریزی مدرسوں سے آتی ہے۔ کراچی میں جمعیۃ تعلیم القرآن جو پنجابی سوداگرانِ دہلی کا ذیلی ادارہ ہے اور حضرت قاری حبیب اللہ صاحب کے مشورے اور رہنمائی سے شہر میں تعلیم القرآن کا انتظام کرتا ہے۔ اس وقت (۱۵۵) اساتذہ کے ذریعہ مختلف علاقوں میں مدرسے چلا رہا ہے۔ موزوں مدرسین کا ملنا ان کا بھی مسئلہ ہے۔ ہمیں ان کی معرفت ۳ مدرسین کا تجربہ ہو چکا ہے جو افسوسناک اور ناگفتنی ہے۔ ہمیں اس مغربی تعلیمی اداروں کے جھرمٹ میں جس قسم کے استاد کی ضرورت ہے اس کا اپنے کام میں پختہ تربیت یافتہ ہونا بہت اہم ہے۔ اس کے علاوہ اس کا اخلاقی وقار اور طریقۂ تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے گریزپا گاہکوں کے لیے کشش کا باعث ہو۔ اور اس کی ذات دینی مرکز کی حیثیت اختیار کرلے اور قابلِ تقلید اور تعریف سمجھی جائے۔ اس وضع اور صفات کے حامل کوئی قاری اور استاد آپ ہوں یا کچھ عرصے بعد آپ کی نظر میں آئیں تو براہ کرم ہمیں مطلع ضرور کریں۔ اگر آپ کے کوئی پسندیدہ شاگرد یا ہم درس ساتھی کراچی میں موجود ہوں تو ان کا نام اور پتہ بھی لکھیں تاکہ ان سے ضرورت پڑنے پر مشورہ لیا جا سکے۔

اس زحمت کے لیے دلی معذرت پیش کرتا ہوں امید ہے کہ قبول فرمائیں گے۔

عرض مدعا کے بعد آپ کی کتاب سے متعلق چند معروضات۔

۱۔ اگر آپ متفق ہوں تو اس بات پر غور فرمائیں کہ آپ کی کتاب کا مفصل مواد اس طرح ڈھال دیا جائے کہ اس کی صورت فنِ تجوید پر ایک کتاب کی ہو جائے۔ اصل متن کثیر التعداد سرخیوں کے تحت درج کیا جائے۔ فروعی اور باریک توضیحی بحثیں حاشیہ میں باریک لکھ دی جائیں۔ کتاب کی نوعیت ایسی ہو کہ اسے دینی مدارس کے طلباء کے علاوہ، مغربی انداز کے مدارس کے طلباء، اساتذہ اور عام پڑھے لکھے لوگ استعمال کر سکیں۔ اور یہ کتاب اس فن میں ایک معیاری نصابی کتاب بن جائے۔ معاملہ صرف موجودہ کتاب کی صورت، ترتیب اور ساخت بدلنے کا ہے۔ ورنہ مضمون اور زبان کے لحاظ سے کتاب ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے۔

۲۔ مجوزہ صورت میں ایک تفصیلی باب کا اضافہ بے حد مفید ہوگا۔ جس میں قرآن کریم کی تجویدی تعلیم کے طریقے کی بحث ہو، ایک طریقہ تو وہ ہے جو دینی مدارس میں مستعمل ہے۔ کیا یہ طریقہ انگریزی مدارس کے طلباء کے لیے بھی اسی طرح موزوں ہے یا اس میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ اس کتاب کے تجربے اور ضرورت کی بناء پر قرآن کریم کی تعلیم کے طریقے مفصل بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً ابتدائی حصے کی تعلیم، مخارج اور صفات ایک ساتھ سکھائے جائیں یا مخارج کو مقدم اور صفات کو مؤخر کیا جائے،

کیا جدید سماعی اور بصری آلات کی سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ حروف کی نظری شناخت کے لیے قاعدہ اور تختۂ سیاہ کس طرح استعمال کیا جائے۔ کیا حروف کی شناخت کا کوئی طریقہ اور ہو سکتا ہے؟ کیا مستند قاری کی آواز کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کرکے اس کا اعادہ ہو سکتا ہے؟ کیا یہ آواز بغیر منہ کی جنبش نظر آئے مفید ثابت ہو سکتی ہے، کیا آواز اور حرکات بیک وقت فلم کے ذریعہ محفوظ کی جا سکتی ہیں شرعاً جائز ہوں گی؟ یہ اور ایسے بے شمار سوالات جن کا جواب ایک قابل اعتماد طریقہ تجویز کر دینے سے مل جائے گا۔ ایسا طریقہ جس پر کتاب میں دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں عمل کیا جا سکے۔

۳۔ کتاب میں یا تو موجودہ قاعدوں کی جیسے بغدادی، نورانی، یسرنا القرآن یا جیسی ہیں، کہ توثیق ہو یا پھر بالکل الگ قاعدہ تجویز کیا جائے۔

امید ہے کہ آنجناب اس کام کی اہمیت اور ضرورت پر غور فرمائیں گے اور مناسب فیصلہ کریں گے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ دین کی فصیلوں کے باہر نئی نسل جس طرح کی تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہے وہ قرآن سے خالی ہے اور خدا وہ دن نہ لائے کہ اس ہجوم بے قرآن کی تعداد اتنی بڑھ جائے کہ پھر ان کا سنبھالنا ناممکن ہو جائے۔ اس سیلاب جہل کو روکنے کی جو کوشش ہو سکے اللہ کی توفیق سے کرنی چاہیے اور یہ آپ جیسے علماء کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔

دعائے خیر کا محتاج
آپ کا خادم محمد شمیم
مسجد جامع ملیہ ملیر سٹی کراچی ۴۳

بقیہ: احادیث الرسول

صفحہ ۱۲ سے آگے

اپنے بہت سے وسیلوں اور ذریعوں سے کام لے کر آزادی کے ساتھ چین اور آرام سے دن گزارے۔ قسم قسم کی نعمتوں سے اور لذیذ چیزوں سے فائدہ اٹھائے اور دوسری خواہش یہ کہ اس کی عمر لمبی ہو تاکہ وہ دنیا کی عمدہ اور اعلیٰ چیزوں سے دیر تک فائدہ اٹھاتا رہے وہ جی بھر کر پوری تسکین حاصل کر سکے اور کسی قسم کا ارمان باقی نہ رہ جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری ان دو خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے ایک بہترین نسخہ تجویز فرمایا ہے ہمیں چاہیے کہ اس نسخہ سے فائدہ اٹھائیں آپؐ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے رزق میں کشادگی ہو اور آپ کی عمر لمبی ہو تو چاہیے کہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی روزی مقرر کر رکھی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کی روزی ایک ہی شخص کے ذریعے ان تک پہنچتی ہے اس کی حیثیت صرف تقسیم کرنے والے کی ہوتی ہے اس لیے وہ شخص اگر ان لوگوں کا حصہ اور حقوق پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرتا رہے تو اس سے ان لوگوں کی دعائیں، ہمدردیاں اور مدد اس کے ساتھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا اور اس کے رزق میں اور زیادہ وسعت دے گا۔ لیکن اگر وہ اس کے برعکس کرے تو یقیناً دوسرے لوگوں کا حصہ اس کے رزق سے کم ہو جائے گا اور بددعائیں جدا ہوں گی۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھتا ہو، ان کی ضروریات پوری کرتا رہتا ہو، ان کی کامیابی، خیرخواہی اور خوش حالی کی طرف توجہ دیتا ہو تو وہ لوگ صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ وہ اس شخص کا سایہ ان کے سر پر دیر تک قائم رکھے تاکہ وہ اس کی عنایات اور صلہ رحمی سے زیادہ مدت تک فائدہ اٹھاتے رہیں۔ ان کی دعا قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں اور فراخی دیتا ہے اور اس کی عمر لمبی کرتا ہے۔

ہم سب پر لازم ہے کہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آئیں اور ان دونوں نعمتوں کو حاصل کریں۔

آپکے * مسائل

نکاح کا مسنون طریقہ

ارشد حسن ثاقب

سوال :- نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے ؟ کوئی ایجاب پہلے اور کوئی کلمہ طیبہ اور ایمان مجمل و مفصل پہلے، کوئی سب سے پہلے خطبہ پڑھتے ہیں اور کوئی بعد میں خطبہ پڑھتے ہیں، کئی قاضی حضرات دلہن کو ایجاب وغیرہ قبول کرانے خود جاتے ہیں اور بعض سرپرست کی اجازت ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور پھر سوا بتیس ۳۲ ۱/۴ روپے کو شرعی حق مہر سمجھا جاتا ہے۔

اور خطبہ نکاح محسنِ انسانیت نے کھڑے ہو کر پڑھا یا بیٹھ کر۔ دو نکاح اکٹھے ہوں تو کیا ایک ہی خطبہ کافی ہے ؟

(ابو حامد منور حسین ضیا قادری اشدی صادق آباد)

جواب :-

نکاح نام ہے ایجاب اور قبول کا، اور نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا یا ایمان مجمل و مفصل کا لفظی اقرار لینا شرائطِ نکاح میں سے نہیں ہے، نکاح اس کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں جب کہ دین سے دوری کے باعث اور جہالت کی وجہ سے عام طور پر لوگ نادانستگی میں ایسے کلمات کہہ دیتے ہیں جو موجب کفر ہوتے ہیں۔ اور بداحتیاطی کا یہ مرض بہت عام ہے۔ اس لیے ہر وقت استحضارِ ایمان کی ضرورت پہلے وقتوں کی بہ نسبت اب کہیں زیادہ ہے، تو کلمہ اور ایمان مجمل و مفصل کا اعادہ بھی استحضارِ ایمان کی ایک صورت ہے اور اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کا اظہار نکاح پڑھوانے سے پہلے کرنا چاہیئے نہ کہ بعد میں !؟۔ اس لیے اگر کلمہ کا اقرارِ لسانی لینا ہی ہو تو ایجاب قبول سے پہلے ہونا چاہیئے !۔

دلہن سے اجازت حاصل کرنے کیلیے از خود قاضی کا جانا بلاضرورت ایک فعل غیرمشروع کا ارتکاب کرنا ہے۔ کیونکہ اجازت کے لیے اس کی آواز سننا ضروری ہو گا۔ اور عام طور پر قاضی غیرمحرم ہی ہوتے ہیں، اور غیر محرم کے لیے عورت کی آواز بھی "عورت" ہے، لہٰذا والد کا اجازت حاصل کرنا، اور پھر والد کا اجازت دینا محتاط اور بہتر طریقہ ہے۔

سوا بتیس ۳۲ ۱/۴ روپے مہر کا التزام بے بنیاد ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ مہر کی کم ازکم مقدار دس درہم ہونا ضروری ہے، اور دس درہم تقریباً ساڑھے اکتیس ۳۱ ۱/۲ ماشے چاندی کے برابر ہوتے ہیں۔ اب چاندی کی موجودہ قیمت اور نرخ کا موازنہ کر کے آپ خود دیکھ لیں کہ آیا دس درہم جو کم از کم مقدارِ مہر ہے کی قیمت موجودہ بھاؤ کے مطابق ۳۲ ۱/۴ روپے بنتی ہے یا نہیں بنتی، اگر بن جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مہر ادا کر دیا ہے، اور اگر ساڑھے اکتیس ماشے چاندی کی قیمت سوا بتیس روپے سے زائد بنتی ہے تو جن لوگوں نے سوا بتیس روپے مہر مقرر کیا ہے، وہ باقی پیسے ملا کر ادا کریں، تاکہ مہر کی کم از کم مقدار ادا ہو جائے جو کہ دس درہم ہے۔

خطبہ نکاح میں رسولِ کریم علیہ التحیات والتسلیم کا طریق بیٹھنے کا منقول ہے۔

جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ نکاح فقط ایجاب اور قبول کا نام ہے، ان دو اجزاء کے بغیر نکاح واقع نہیں ہوتا، ان کے علاوہ مجلسِ نکاح میں خطبہ پڑھا جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور خطبہ میں جو آیاتِ قرآنیہ تلاوت کی جاتی ہیں وہ اس عقد میں برکت کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ اصل عقدِ نکاح ایجاب و قبول سے منعقد ہو گا۔ لیکن اگر ایک ہی مجلس میں دو نکاح ہوئے تو خطبہ ایک ہی کافی ہو جائے گا۔

مدارس اسلامیہ

مولانا بنوری

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر و برکت اور ان کا منصبِ تعلیم و تعلم نہایت ہی اونچا اور لائقِ فخر ہے۔ یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعتِ الٰہی کے محافظ اور امتِ محمدیہ کے معلّم ہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں دین کی تعلیم و تعلم کے جو فضائل آئے ہیں ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے اس کی قیمت بھی اتنی ہی اونچی ہے اور وہ صرف رضائے الٰہی اور نعیم جنت ہی ہو سکتی ہے۔ اگر اس گوہرِ بے بہا کی قیمت متاعِ دنیا کو ٹھہرایا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہو سکتی ہے؟ حدیث میں صاف و صریح وعید وارد ہے کہ،

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ

(مسند احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ عن ابی ہریرہؓ) یعنی "جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے، مگر وہ اس کو صرف متاعِ دنیا کے لئے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہو گی —————" سنا ہے کہ حضرت فقیہہ عصر، محدث وقت عارف باللہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہ کی تپائیوں کے سامنے طلبہ کے بجائے بیل بیٹھے ہیں فرمایا "انا للہ! اب لوگ علم دین کو پیٹ کے لئے پڑھنے لگے"۔

ہمارے اکابر کیلئے تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و ارشاد اور امامت و خطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص و تقویٰ، خلوص و للہیت، ذکر و شغل اور اتباعِ سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی رُوح دن بدن مضمحل ہوتی جا رہی ہے۔ اساتذہ و طلبہ میں شب خیزی، ذکر و تلاوت، زہد و قناعت، اخلاص و للہیت اور محنت و جانفشانی کی فضا ختم ہو رہی ہے۔ نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ قرآن کریم کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر پہنچا دی ہیں اور ہمارے دینی حلقے ————— دینی مدارس ————— بھی ان وباؤں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ وہ دردناک صورت حال ہے جس نے اربابِ بصیرت و اہلِ دل کو بے چین کر رکھا ہے۔ ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی متع اللہ الامۃ بحیاتہم الطیبۃ المبارکۃ نے اسی تاثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصّل والا نامہ تحریر فرمایا ہے۔ اربابِ مدارس کی توجہ اور اصلاح کے لئے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو اربابِ مدارس کے لئے وسیلۂ عبرت و نصیحت اور توجہ بنائے۔ آمین

مکتوب مبارک

"مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی و بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جا رہی ہے بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہی ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفّر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر العلوم، شاہی مسجد مراد آباد وغیرہ کی ابتدا جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے۔ انہی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً و تحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرماویں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہو گا۔ مظاہر العلوم میں تو کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں، اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں، روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شر و فتن اور تباہی و بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں، دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء و تحفظ میں جتنا دخل ہو گا، ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں، اور اب اس میں جتنی کمی ہو گئی ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں، اس لئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے

تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ تعداد مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کرے۔ مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابرین میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمے لے، یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا، البتہ اہلِ مدارس ان کے قیام کی صورت اپنے ذمے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو اور ذکر کے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا ——

جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارنپور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہلِ مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا اور وہ بدلتے بدلتے رہتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ ضرور رہتا تھا اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگرچہ نہ ہو مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے۔ میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے۔ ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں۔ عزیز مولوی نصیر الدین سلمہ اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے۔ ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں، اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں کہ داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں، اکابر کے زمانہ سے جتنا بُعد ہوتا جائے گا، اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس ما فی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہلِ مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی۔ اس ناکارہ کے رسالہ "فضائلِ ذکر" میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب "الوابل الصیب" سے ذکر کے سو سے قریب فوائد نقل کئے ہیں، جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ شیاطین ہی اکثر سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں، "فضائلِ ذکر" سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمونِ بالا کی تقویت ہوگی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہلِ مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے، آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دار العلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحبِ نسبت اصحابِ ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں، یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسنِ خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے!!

والسلام

(حضرت شیخ الحدیث مدظلہ۔ بقلم حبیب اللہ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۷۵ء مکۃ المکرمہ)

بہنوں کا صفحہ

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا

بیگم دلدار صابر کراچی

میرے لیے یہ پہلا موقعہ نہایت خوشی کا باعث ہے کہ میں ایک دینی رسالے کی وساطت سے اپنی بہنوں سے ہمکلام ہو رہی ہوں۔ اور یہ خوشی اس لحاظ سے مزید باعثِ اطمینان ہے کہ دینی رسائل میں خواتین کے صفحات محض جذباتی اور بے بنیاد نعروں پر مشتمل نہیں ہوتے بلکہ ان میں خواتین کے حقیقی مقام کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

اسلام نے خواتین کو جو مقام دیا ہے اور دورِ جہالت میں کئے جانے والے غیر منصفانہ طرزِ عمل سے نجات دلائی، وہ نسوانی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور اس موضوع پر انشاء اللہ پھر کبھی تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

آج میں اسلام کی تاریخ میں خواتین اسلام کے "تابندہ کردار کی ایک جھلک پیش کروں گی۔ جو یقیناً ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ تاریخ اسلام میں ہمیں ہر مقام پر اسلام کی عظمت و سربلندی میں خواتین کی نمایاں جدوجہد نظر آتی ہے۔ اور تقسیم فطرت کے مطابق اگر مرد میدانِ جنگ میں تیر و سناں کے آگے سینہ سپر نظر آئے اور قوتِ بازو کے جوہر دکھلاتے نظر آتے ہیں تو اسلامی فوج کے زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیگر ضروری خدمات میں اسلامی خواتین کا دستہ بھی سرگرم عمل نظر آتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی عظمت کا سہرا جہاں اُن عظیم مجاہدین اور سپہ سالاروں کے سر ہے جنہوں نے دشمنانِ اسلام کی بڑی بڑی فوجوں کے رُخ پھیر دئے اور صحراؤں اور سمندروں میں اسلامی رفعت کے لیے اپنی زندگیاں گذار دیں اور اسی عظیم اور مقدس کام میں اپنی زندگی وار دی وہاں ان خواتین کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جن کی آغوش اسلام کے نونہالوں کے لیے ایک عظیم تربیت گاہ تھی جنہوں نے اپنے بچوں کو اسلام سربلندی پر تیار کیا۔ اور وقت آنے پر اُن سے کے تربیت یافتہ یہ نونہال وقت کے عظیم مجاہدین میں شمار ہوئے اور انہوں نے وہ کردار ادا کیا کہ آج دنیائے اسلام ان کے کارناموں پر فخر کرتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد ایک مسلمان کے لیے کوئی شخصیت یا مال و منال حضور سے بڑھ کر محبوب نہیں ہو سکتا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (الحدیث) کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد، اولاد اور ساری دنیا سے زیادہ عزیز و محبوب نہ ہوں۔

ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی سے بھی محبت نہ ہو اور اس کا حقیقی مشاہدہ ایسے موقعہ پر ہوتا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور مذکورہ چیزوں میں سے کسی کی محبت کا مقابلہ آجائے۔ ایسے وقت میں ایک مومن کی حیثیت سے ہمیں کس کو ترجیح دینی ہے اور کس کو چھوڑنا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمیں زبان سے نہیں اپنے عمل سے دینا ہے۔ ہماری موجودہ پستی اور دین سے دوری کا سب سے بڑا سبب ہی یہی ہے کہ ہم نام تو حضورؐ کی محبت کا لیتے ہیں اور عشقِ رسولؐ کا دعویٰ ہر وقت ہماری نوکِ زبان پر ہوتا ہے لیکن جب حضورؐ کی محبت کے مقابلے میں اولاد کی محبت آتی ہے تو ہم اولاد کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اگر حضورؐ کے عمل کے مقابلے میں معاشرے کی ناپائیدار اور بے حقیقت قدریں آتی ہیں تو ہم معاشرے کو

گلے لگا لیتے ہیں اور حضورؐ کی سنت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اگر حضورؐ کا فرمان والدین کی منشاء سے ٹکرا رہا ہو تو ہم والدین کے آگے جھکاؤ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حضورؐ کا فرمان سوالیہ نشان بن کے رہ جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صرف اسی حدیث پر عمل کرنا شروع کر دیں تو معاشرے کی ساری برائیاں دور کی جا سکتی ہیں اس سلسلہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ایک "تاریخی" واقعہ ہمارے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ فتح مکہ سے قبل آپ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے وہ کسی تجارتی سفر سے واپسی پر مدینہ منورہ آئے تھے اور ابھی انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے والد کی حیثیت سے آپ کی ہر طرح سے مدارات کی اور اسلام کے اصول کے مطابق والدین کے حقوق اور والدین کے احترام کا پورا مظاہرہ کیا۔ لیکن جب گھر میں حضرت ابوسفیان بیٹھنے لگے تو حضرت امّ سلمہؓ نے تیزی سے بڑھ کر بستر اٹھا لیا۔ حضرت ابوسفیانؓ نہایت زیرک اور عقلمند آدمی تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ بیٹی! کیا یہ بستر میرے قابل نہیں تھا یا میں اس بستر کے قابل نہیں تھا کہ تم نے اٹھا لیا ہے؟

آپ اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور میں نہیں پسند کرتی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس بستر پر کوئی مشرک بیٹھے" حضرت ام سلمہؓ نے بڑے صاف انداز میں ایمان و ایقان میں ڈوبا ہوا جواب دیا۔

عشق رسول میں اس سے بڑھ کر اور کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ خواتین اسلام نے محبت نبویؐ میں کس طرح پوری دنیا کو ٹھکرا دیا۔ اور یہ محبت نبویؐ ہی کا جذبہ تھا جس نے حضورؐ کے بستر پر مشرک باپ کو بٹھانا گوارا نہ کیا۔

اگر ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو قدم قدم پر حضورؐ کے مقابلے میں ہر کہ و مہ کی بات ہمارے لیے لائق ترجیح بنا ہوتی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کا یہ کردار آج بھی ہمیں ایمان کامل کی طرف پکار رہا ہے۔

کچھ کھا پی لو اور مزے اڑا لو۔ بے شک تم مجرم ہو۔۔۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے

پھر کس بات پر مسلمان بننے پھرتے ہیں؟

(سورہ المرسلات آیات ۴۵ تا ۵۰)

حقیقت توبہ

از حضرت علیؓ

فَقَالَ یَا اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ مَا التَّوْبَةُ فَقَالَ اِسْمٌ یَقَعُ عَلٰی سِتَّةِ مَعَانٍ۔

۱- عَلَی الْمَاضِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ النَّدَامَةُ۔

۲- وَلِتَضْیِیْعِ الْفَرَائِضِ الْاِعَادَةُ۔

۳- وَرَدُّ الْمَظَالِمِ۔

۴- وَاِذَابَةُ النَّفْسِ فِی الطَّاعَةِ کَمَا رَبَّیْتَهَا فِی الْمَعْصِیَةِ۔

۵- وَاِذَاقَةُ النَّفْسِ مَرَارَةَ الطَّاعَةِ کَمَا اَذَقْتَهَا حَلَاوَةَ الْمَعْصِیَةِ۔

۶- وَالْبُکَاءُ بَدَلَ کُلِّ ضِحْكٍ ضَحِکْتَهٗ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ اے امیرالمومنین! توبہ کیا چیز ہے؟ تو فرمایا توبہ ایک نام ہے جس کے چھ معنیٰ ہیں۔

۱- سابقہ گناہوں پر ندامت کرنی۔

۲- ضائع شدہ فرائض کو لوٹانا (پھر سے ادا کرنا)

۳- ظلم سے چھینی ہوئی چیزوں کو واپس کرنا۔

۴- اپنی جان کو عبادت میں پگھلانا۔ جیسا کہ تونے اس کی گناہ میں پرورش کی۔

۵- نفس کو عبادت کی تلخی چکھانا جیسا کہ تونے اس کو گناہ کی لذت چکھائی۔

۶- ہر ہنسی کے بدلے میں رونا جو تو ہنسا۔

المرسلہ: عبدالواحد بیگ مرحوم

ملتان

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

بھائی جان

اولاد پیدا نہ ہو گی۔ مدینہ منورہ میں جو مسلمان مہاجر بن کر پہنچے تھے، ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے۔ ان کی بیوی حضرت اسماء تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں۔ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں سب سے پہلے انہی (حضرت زبیرؓ) کے گھر بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام

پیارے بچو! آج ہم تمہیں ایک ایسے بچے کے حالات سناتے ہیں، جس کی ولادت پر بے انتہا خوشی منائی گئی تھی۔ یوں تو ہر ایک بچے کی ولادت پر اس کے والدین، بہن بھائی و دیگر رشتہ دار خوشیاں مناتے ہیں، لیکن اس بچے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پیدائش پر تمام مسلمانوں نے، بلکہ سرکار دو عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خوشی کا اظہار فرمایا تھا۔ اس بچے کا نام ہے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لاتے تو مشرکین نے یہ بات مشہور کر دی کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور اب کسی مسلمان کے گھر میں بھی

عبداللہ رکھا گیا۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت سے کفار کا جادو والا دعویٰ غلط ثابت ہوا تھا، اس لیے مسلمانوں کو انتہائی خوشی ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر انہیں اٹھایا، اپنا لعاب مبارک ان کے منہ میں ڈالا، اور ان کا نام بھی خود ہی تجویز کیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر جوان ہوئے تو انتہائی نیک، پاک باز اور بہادر ثابت ہوئے۔ آپ کا شوقِ عبادت اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں سیلاب آیا اور بیت اللہ شریف کے اردگرد ہر طرف پانی ہی پانی جمع ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کے قریب جانا بھی ممکن نہ رہا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے پانی میں تیر تیر کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ حالانکہ آپ اس سے قبل بھی کئی حج اور عمرے کر چکے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آئے، آپ نے ان کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا، پھر رضاعی ماں آئیں آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

حضرت ابوذرؓ مشہور صحابی ہیں۔ ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے، تھوڑی دیر کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ لیٹے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا۔ اور فرمایا سب سے بہتر وہ لوگ ہیں، جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔

اللہ کا فیصلہ

"کہہ دو اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! ہر چھپی اور کھلی بات کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں میں فیصلہ کرے گا اس بات میں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور اگر ظالموں کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سب ہو اور اسی قدر اس کے ساتھ اور بھی ہو تو قیامت کے بڑے عذاب کے معاوضہ میں دے کر چھوٹنا چاہیں گے اور اللہ کی طرف سے انہیں وہ پیش آئے گا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا اور بڑے کاموں کی برائی ان پر ظاہر ہو جائے گی۔ اور ان کو وہ عذاب پکڑ لے گا جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔"

(سورۃ الزمر، آیات ۴۶ تا ۴۸)